جلد 6 شمارہ 4 جون 2004ء ربیع الثانی 1425ھ

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰیۙ○ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰیؕ○ (الاعلیٰ 14-15)

بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

CPL No. 491
Registerd

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے صحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد و اذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ

آدمیت فلاح

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار
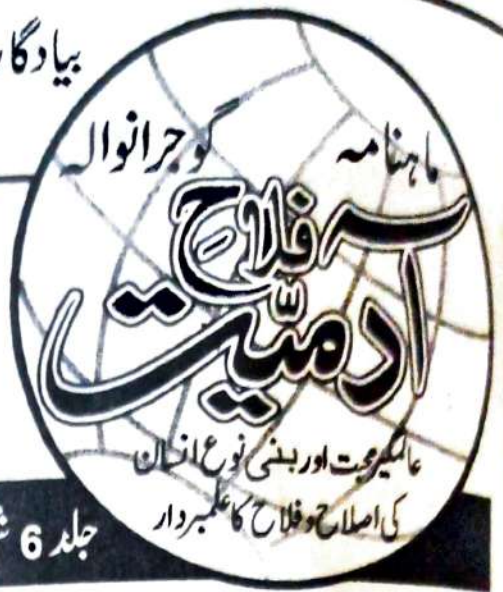
جلد 6 شمارہ 4 جون 2004ء ربیع ثانی 1425ھ

ایڈیٹر وحید احمد

مجلس ادارت

محمد مرتضیٰ توحیدی، ایم محمد اکرم، پروفیسر منیر احمد لودھی، ایم محمد طالب
ڈاکٹر عبدالرشید وقار، محمد صدیق، سید عاشق حسنین مرتضیٰ شاہ بخاری
مولانا حافظ بشیر احمد

قیمت ———— 20/- روپے

سالانہ فنڈ ———— 200/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

محمد صدیق ڈار توحیدی

مرکز تعمیر ملت نزد توحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:0431-862835

Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

وحید احمد

تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-881379

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020

E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

صفحہ نمبر	مصنف	مضمون
1	وحید احمد	اداریہ
3	مولانا محمد الیاس اظہر	فرمودات رسول مقبولؐ
5	محمد یوسف اصلاحی	زکوٰۃ کا بیان
13	خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	محاسن اور معائب اخلاق
19	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	وانک لعلیٰ خلق عظیم
24	مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری	عملی زندگی میں خیر و شر
28	مولانا محمد ریاض انور	ایک راہب اور بایزید بسطامیؒ
33	ڈاکٹر عبدالغنی فاروق	ڈاکٹر منیر احمد ارشد
40	مراسلہ رحمت اللہ شاہ	اسرار خودی
45	مولانا سید محمد متین ہاشمی	اسلامی نظام عدل کا نفاذ
49	کے ایم اعظم	بنیاد پرستی اور علامہ اقبالؒ
57	ہارون یحییٰ	اسلامی تمدن سے جدید سائنس

اداریہ

ہمارا المیہ یہ ہے کہ برائی کی طاقتیں تو منظّم ہیں اور پوری تندہی سے اپنا کام کر رہی ہیں لیکن نیکی کی طاقتیں غیر منظّم ہیں۔ اللہ کے نیک بندے موجود ضرور ہیں لیکن ان کے درمیان کوئی رابطہ کوئی تنظیم نہیں۔ اِن کے درمیان کوئی تعاون اور اشتراک نہیں۔ کوئی لائحہ عمل اور کوئی مشترک آواز نہیں جس کی وجہ سے یہ بالکل بے اثر ہو کے رہ گئے ہیں۔ کبھی کبھار کوئی اللہ کا بندہ اپنے اردگرد کے پراگندہ ماحول کو دیکھ کر چیخ اُٹھتا ہے۔ مگر جب کسی طرف سے اس پذیرائی نہیں ملتی تو خاموش ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ حق اور انصاف کی بات علی الاعلان کرتا ہے تو طاغوتی طاقتیں زبردستی اس کی آواز دبا دیتی ہیں اور حق پرست لوگ دل ہی دل میں اس کو داد دے کر رہ جاتے ہیں، کبھی کوئی شخص اِنسانیت کا خون ہوتے دیکھ کر صبر نہیں کر سکتا اور اس پر احتجاج کر گزرتا ہے، مگر ظالم لوگ اِس کی آواز کو دبا دیتے ہیں اور اِس کا انجام دیکھ کر نیک لوگوں کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا ملک خدا کے عذاب سے بچ جائے تو ہمیں یہ کوشش کرنا ہوگی کہ ہمارے اندر جو نیک لوگ موجود ہیں وہ منظّم ہوں اور ملکر اس بڑھتے ہوئے فتنہ کا مقابلہ کریں جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

ہمیں اِس بات سے گھبرانا نہیں چاہیے کہ نیک لوگ بہت اقلیت میں ہیں۔ یہی لوگ اگر منظم ہو کر طاغوتی طاقتوں کے خلاف جدوجہد شروع کر دیں تو یہ بات ناممکن نہیں کہ بدی کی قوتوں کو باوجود ان کے منظّم ہونے اور جدید ہتھیاروں سے لیس ہونے کے شکست نہ دی جا سکے لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ جو لوگ معاشرے کو اِن خرابیوں سے پاک کرنا چاہتے ہیں اِن کا اپنا ذاتی اور اجتماعی رویہ خالص، راستی، انصاف، حق پسندی اور خلوص و دیانت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو۔

انسانی فطرت شر پسند نہیں اِس کو دھوکا دیا جا سکتا ہے اور بڑی حد تک مسخ بھی کیا جا سکتا ہے مگر اس کے اندر بھلائی کی طرف رغبت کا جو مادہ خالق نے ودیعت کر دیا ہے اس کو بالکل معدوم نہیں کیا جا سکتا۔ اِنسانوں میں ایسے لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو بدی کے دلدادہ ہوں اور اس کو فروغ دینے کیلئے اپنی پوری قوت صرف کرتے ہوں اور ایسے لوگ بھی کم ہوتے ہیں جن کو نیکی سے عشق ہو اور اس کو قائم کرنے کی کوشش کریں ان دونوں طبقوں کے درمیان عام انسان نیکی اور بدی کے ملے جلے رجحانات رکھتے ہیں۔ وہ نہ بدی کے گرویدہ ہوتے ہیں اور نہ نیکی ہی سے ان کو غیر معمولی

دلچسپی ہوتی ہے۔ اِن کے کسی ایک طرف مائل ہونے کا انحصار اِس بات پر ہے کہ نیکی اور بدی کے
علمبرداروں میں سے کون آگے بڑھ کر اپنے راستہ پر لگاتا ہے۔ اگر نیکی کو پھیلانے والے میدان
عمل سے بالکل لاتعلق ہو کر بدی کی قوتوں کیلئے میدان کھلا چھوڑ دیں گے تو ظاہر ہے معاشرہ
انارکی کا شکار ہو جائیگا۔ لیکن اگر نیک لوگ اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائیں تو مواد
طاغوتی طاقتوں کا اثر دیرپا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اِن دونوں کا مقابلہ آخرکار اخلاق کے میدان میں ہوگا
اور اِس میدان میں نیک لوگوں کو برے لوگ کبھی شکست نہیں دے سکتے۔ سچائی کے مقابلے میں
جھوٹ، ایمانداری کے مقابلے میں بے ایمانی اور پاکبازی اور ایمانداری ہی کی ہوگی۔ بس
ضرورت اِس بات کی ہے کہ نیک لوگ محض اللہ کی رضا کیلئے اِس راستہ میں اپنا تن من اور دھن لگا
دیں۔

(والسلام)

وحید احمد

قبولیتِ دُعا کی لازمی شرط

مولانا محمد الیاس اظہر (الازہری)

امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **اِنَّ اللّٰہ طَیِّبٌ لَا یَقبَلُ اِلَّا طَیِّباً ۔ وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ المُومِنِینَ بِمَا اَمرَ بِہِ المُرسَلِینَ فَقَالَ ۔ یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعمَلُوا صَالِحًا وَقَالَ تَعَالٰی ۔ یَا اَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُو کُلُوا مِن طَیِّبَاتِ مَا رَزَقنَاکُم o**

یعنی! "بے شک اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور وہ پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اُسی چیز کا حکم دیا جس کا اپنے پیغمبروں کو حکم دیا۔ چنانچہ اُس نے قرآنِ حکیم میں فرمایا ہے کہ "اے میرے رسولو! پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔ اِسی طرح دوسری جگہ فرمایا ہے۔ کہ "اے اہل ایمان وہ پاکیزہ رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے"۔

ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیلُ السفر اَشعث اغبر یمدیدیه الی السماء یارب ! ومطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غزی بالحرام فانی یستجاب لِذالِك؟"

اس کے بعد آپؐ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ فرمایا جو لمبا سفر کر کے اللہ کے گھر میں آتا ہے (یعنی دور دراز کی مسافت طے کر کے حج وعمرہ کی سعادت حاصل کرتا ہے) سفر کی طوالت اور راستے کی دشواری کی وجہ سے اسکے بال بکھرے ہوئے اور جسم کے ساتھ کپڑے بھی غبار آلود ہو چکے ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر نہایت عاجزی سے یارب! یارب پکارتا ہے (اور خوب دُعائیں کرتا ہے) لیکن اِس کا کھانا، اِس کا پینا، اس کا پہننا اور اسکی ساری غذا حرام سے ہی ہے (گویا اِس کا اوڑھنا بچھونا سب حرام سے ہے) تو ایسے شخص کی دُعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ اس حدیث شریف میں دو باتیں کہی گئی ہیں پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ کو وہی صدقہ، خیرات، قبول ہے جو

حلال اور پاک مال سے ہو یعنی چیز بھی پاک اور حلال ہو نیز اس کی کمائی کا ذریعہ بھی حلال ہو (چوری، رشوت، ملاوٹ، دھوکہ دہی، غبن اور دیگر ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ ...) سے جمع کی ہوئی دولت سے خرچ کرنا اسی طرح غلط ہے جس طرح کوئی حرام یا ناپاک چیز ... میں دینا غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حرام خور آدمی کی دُعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ اسی لئے بزرگانِ دین نے ایک مقولہ اپنے عقیدت مندوں کیلئے مقرر کیا ہے کہ دُعا کی قبولیت کیلئے دو باتوں کا التزام ہو ایک صدق مقال یعنی بول چال میں سچ اور دوسری اکل حلال یعنی حلال خوری ... قبولیت اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مستلزم جبکہ دروغ گوئی خدا کی رحمت کو دور کرتی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ترجمہ "جھوٹے اللہ کی رحمت سے دور ہیں" کیونکہ لعنت کا لغوی معنی ہی رحمت سے دوری ہے۔ لہٰذا جھوٹے اور حرام خور کو رحمتِ الٰہی سے دور کر دیا جاتا ہے اور اُسکی دُعا قبول نہیں کی جاتی۔

یہ تو دُنیوی سزا ہے آخرت کے بارہ میں ایک اور حدیث میں ہے۔ **لا یدخل الجنۃ جسد غذی بالحرام** "یعنی وہ جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا جسکی تربیت اور نشوونما حرام سے کی گئی۔

آج اُمتِ مسلمہ کی دُعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟ اور وہ ساری دنیا میں ذلیل و خوار کیوں ہو رہی ہے؟ نمازوں میں، حج کے خطبوں میں ملتزم پر، بیت اللہ میں، کون سی جگہ ہوگی جہاں فلسطین، بوسینا، چیچنیا، افغانستان، عراق اور دیگر مظلوم مسلمانوں کیلئے دن رات دُعائیں نہیں ہوتیں؟ لیکن پھر بھی ... برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ صاف ظاہر ہے ... کوئی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے تو جواب سامنے آجائے گا۔ آج ہم بات بات پر جھوٹ بولتے ہیں اور ہماری روزی کسی نہ کسی وجہ سے حرام ہو رہی ہے۔ کیونکہ اگر کسی پاک چیز میں تھوڑی سی ناپاک چیز ملا دی جائے تو وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہ کرام ہر کام سے کراتے تھے کیونکہ اکل حلال اور صدق مقال کے اصول پر کاربند تھے۔ (وما علینا الا البلاغ)

زکوٰۃ کا بیان

(محمد یوسف اصلاحی)

نماز اور زکوٰۃ دراصل پورے دین کی ترجمانی کرنے والی دو اہم عبادتیں ہیں، بدنی عبادات میں نماز پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے اور مالی عبادات میں زکوٰۃ پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے، بندے پر دین کی طرف سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی دو ہی قسمیں ہیں، خدا کے حقوق اور بندوں کے حقوق، نماز بندے کو خدا کے حقوق ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے اور زکوٰۃ بندگان خدا کے حقوق ادا کرنے کا گہرا شعور پیدا کرتی ہے اور ان دونوں حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے ہی کا نام اسلام ہے۔

زکوٰۃ کی حقیقت اور مرتبہ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا عظیم رکن ہے، دین میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے چنانچہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایمان کے بعد نماز کا اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین میں نماز اور زکوٰۃ کی حیثیت اور مقام کیا ہے دوسری طرف یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے اور یہی حقیقت نبی ﷺ کی حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن کی جانب رخصت کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ

''تم وہاں ان لوگوں میں پہنچ رہے ہو، جن کو کتاب دی گئی تھی، تم ان کو سب سے پہلے شہادت ایمان کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، جب وہ اس حقیقت کا اعتراف کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر شب و روز میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ اس کو بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض فرمایا ہے جو ان کے خوش حال افراد سے وصول کیا جائے گا اور ان کے نادار اور حاجت مند افراد میں تقسیم کیا جائے گا جب وہ اس بات کو بھی تسلیم کرلیں تو زکوٰۃ وصول کرنے میں ان کے اچھے اچھے مال چھانٹ کر نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچے رہنا۔ کیونکہ خدا اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ (بخاری و مسلم)

زکوٰۃ کے معنی

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاک ہونا، اور ''اصطلاحِ فقہ'' میں زکوٰۃ سے مراد یہ مالی عبادت ہے کہ ہر صاحب نصاب مسلمان اپنے مال میں سے شریعت کی مقرر کی ہوئی مقدار ان لوگوں کے لئے نکالے جو شریعت کی نظر میں زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک وطاہر ہو جاتا ہے اور اللہ اپنے فضل سے اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی اتنا اجر و انعام دیتا ہے جس کا اِنسان تصور نہیں کرسکتا، اسی لئے اس عبادت کو زکوٰۃ یعنی پاک کرنے اور بڑھانے والا عمل کہتے ہیں۔

زکوٰۃ کی حقیقت

خدا کی خوشنودی کے لئے جب مومن اپنا محبوب اور دل پسند مال خدا کی راہ میں خوشی خوشی خرچ کرتا ہے تو اِس سے مومن کے دل میں ایک نور اور جلا پیدا ہوتی ہے، مادی ثقافتیں اور دنیوی محبتیں ختم ہوتی ہیں اور قلب و روح میں ایک تازگی، لطافت، پاکیزگی اور محبت الٰہی کے جذبات پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنا خود محبت الٰہی کا ثبوت بھی ہے اور محبت الٰہی کے پروان چڑھانے کا موثر اور مستند ذریعہ بھی۔

زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے کہ وہ ناداروں کی کفالت اور دولت کی صحیح تقسیم کی ایک تدبیر ہے بلکہ وہ خدا کی فرض کی ہوئی ایک عبادت ہے جس کے بغیر نہ آدمی کے قلب و روح کا تزکیہ ممکن ہے اور نہ وہ خدا کا مخلص اور محسن بندہ ہی بن سکتا ہے، زکوٰۃ دراصل خدا کی بے پایاں نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے قانونی زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اِس عمل کے ذریعے مومن کے دل میں دنیا کی تمام مادی محبتیں نکال کر اپنی محبت بٹھانا چاہتا ہے اور یہ تربیت دینا چاہتا ہے کہ مومن خدا کی راہ میں اپنا مال اپنی جان اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں قربان کر کے روحانی سرور محسوس کرے اور سب کچھ خدا کی راہ میں دے کر شکر کے جذبات سے سرشار ہو کہ خدا نے اپنے فضل و کرم سے اپنی راہ میں جان و مال قربان کرنے کی توفیق دی اسی لئے شریعت نے زکوٰۃ کی ایک قانونی حد مقرر کر کے بتا دیا کہ اِتنا خرچ کرنا تو ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے اتنا خرچ کئے بغیر تو ایمان ہی مشتبہ ہے لیکن ساتھ ہی پوری قوت کے ساتھ یہ ترغیب بھی دی کہ مومن اسی کم سے کم مقدار پر اکتفا نہ کرے بلکہ زیادہ سے زیادہ خدا کی راہ میں صرف کرنے کی

عادت ڈالے، نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں سے بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے وہ ساری بکریاں اس سائل کے حوالے کر دیں۔ جب وہ شخص اپنے لوگوں میں واپس پہنچا تو اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

''لوگو! مسلمان ہو جاؤ! محمد تو اتنا دیتے ہیں کہ انہیں اپنے مفلس ہونے کا ذرا خوف نہیں ہوتا

ایک بار حضرت حسینؓ کے دروازے پر ایک سائل آیا اور بولا۔

''اے پیغمبر کے بیٹے! مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے''

آپ نے اسی وقت گھر سے چار سو درہم منگوائے اور سائل کے حوالے کر دیئے اور رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

''روتا اس لئے ہوں کہ میں نے اس شخص کے سوال کرنے سے پہلی ہی اس کو یہ رقم کیوں نہیں دے دی کہ اِس کو سوال کرنا پڑا۔ یہ نوبت ہی کیوں آئی کہ یہ شخص میرے پاس آئے اور میرے سامنے دست سوال دراز کرے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار بکری ذبح ہوئی نبی ﷺ تشریف لائے تو پوچھا ''بکری کے گوشت میں سے کچھ باقی رہ گیا''

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ''صرف اس کی ایک دست باقی رہ گئی ہے (باقی سب تقسیم کر دیا گیا)

ارشاد فرمایا، ''نہیں بلکہ اِس دست کے علاوہ جو کچھ تقسیم کر دیا گیا ہے وہی درحقیقت باقی رہا ہے۔ (اور آخرت میں اسی کا اجر متوقع ہے)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے اِن سے فرمایا۔

''خدا کے بھروسے پر فراخ دستی سے اس کی راہ میں خرچ کرتی رہو اور گنتی شمار کے چکر میں مت پڑو۔ اگر تم اس کی راہ میں گن گن کر دو گی تو پھر وہ بھی تمہیں گن گن کر ہی دے گا۔ (اور تم پر بے حساب دولت نہیں انڈیلے گا۔ لہٰذا جہاں تک ہمت باندھ سکو، کشادہ دستی کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرو'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔

''خدا تعالیٰ اپنے ہر بندے سے کہتا ہے'' اے آدم کے فرزند! میری راہ میں خرچ کر
میں تجھے (اپنے اتھاہ خزانے میں سے) دیتا رہوں گا۔

حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس
وقت کعبے کے زیر سایہ آرام فرما تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمایا۔

''ربِ کعبہ کی قسم وہی لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں۔

میں نے پوچھا! ''میرے ماں باپ آپ پر قربان بتایئے وہ کون لوگ ہیں، جو زبردست
گھاٹے میں ہیں؟

ارشاد فرمایا۔'' وہ لوگ جو بڑے سرمایہ دار اور خوش حال ہیں، ہاں اِن میں سے وہی گھاٹے
اور خسارے سے محفوظ ہیں جو کشادہ دلی کے ساتھ آگے پیچھے، دائیں بائیں اپنی دولت راہِ خدا میں
صرف کر رہے ہیں مگر دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔

نظامِ زکوٰۃ کا مقصد

زکوٰۃ کا نظام دراصل مومن کے دل سے حب دنیا اور اِس جڑ سے پیدا ہونے والے سارے
جھاڑ، جھنکار صاف کر کے خالص خدا کی محبت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب
بندہ مومن محض زکوٰۃ ادا کرنے ہی پر قناعت نہ کرے بلکہ زکوٰۃ کی اِس روح کو جذب کرنے کی
کوشش کرے، کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، خدا ہی کا ہے، اور اِس کو اِسی کی راہ میں قربان کر کے
ہم اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں، زکوٰۃ کی اِس روح اور مقصد کو جذب کیے بغیر نہ تو کوئی بندہ
خدا کے بندوں سے محض خدا کے لئے محبت کر سکتا ہے اور نہ خدا کے حقوق پہچاننے اور ادا کرنے
میں اتنا حساس اور فراخ دست ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا نظام دراصل پورے اسلامی سماج کو بخل، تنگ دلی، خود غرضی، بغض، حسد، سنگ دلی
اور استحصال جیسے رکیک جذبات سے پاک کر کے اس میں محبت، ایثار، احسان، خلوص، خیر خواہی
تعاون، مواسات اور رفاقت کے اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات پیدا کرتا اور پروان چڑھاتا ہے، یہی وجہ
ہے کہ زکوٰۃ ہمیشہ ہر نبی کی اُمت پر فرض رہی ہے، اِس کی مقدار، نصاب اور فقہی احکام میں ضرور
فرق رہا ہے لیکن زکوٰۃ کا حکم بہر حال ہر شریعت میں موجود رہا ہے۔

پچھلی شریعتوں میں!

زکوٰۃ کی اس حقیقت اور روح پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مؤمن کے لئے ایک لازمی صفت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت میں یہ حکم موجود رہا ہے۔ قرآن کی شہادت ہے کہ زکوٰۃ تمام انبیاء کی اُمتوں پر اسی طرح فرض رہی ہے جس طرح نماز فرض رہی ہے، سورہ انبیاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ وہ فکر انگیز مکالمہ نقل کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان ہوا تھا۔ پھر اسی ضمن میں حضرت لوط، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے۔

وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا واوحينا اليهم فعل الخيرات واقام الصلوة وايتاء الزكوٰة وكانوا لنا عابدين۔ (انبیاء۷۳)

"اور ہم نے اِن سب کو پیشوا بنایا جو ہماری ہدایت کے تحت رہنمائی کا فرض انجام دیتے تھے اور ہم نے ان کو وحی کے ذریعے نیک کام کرنے، نماز کا اہتمام کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور یہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے"

قرآن میں متعدد مقامات پر اِس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے جو یہود سے لیا گیا تھا، اس کی اہم دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔

وَاِذْ اخذنا ميثاق بنى اسرائيل لا تعبدون اِلا الله وبالوالدين اِحسانا وذى القربى واليتمى والمساكين وقولوا للناس حسنا واقيمو الصلوة واتو الزكوة۔ (بقرہ۔۸۳)

"اور یاد کرو! بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا"

ایک دوسرے مقام پر بنی اسرائیل ہی سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

وقال الله انى معكم لئن اقمتم الصلوٰة واتيتم الزكوة۔ (المائدہ۔۱۲)

"اور اللہ نے (بنی اسرائیل) سے کہا، میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہے

اور زکوۃ دیتے رہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور رسول اکرم ﷺ کے جد امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے قرآن حکیم نے صراحت کی ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو تاکید کرتے تھے، کہ نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔

وکان یامر اھلہ بالصلوۃ والزکوۃ وکان عند ربہ مرضیا۔ (مریم۔۵۵)

"اور اسمٰعیل اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کی تاکید کیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے ہی پسندیدہ انسان تھے"

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے، منصب نبوت پر اپنے مامور ہونے کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ خدا نے مجھے، تا زیست نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کی ہدایت وصیت کی ہے۔

وَاَوصانی بالصلوۃ والزکوٰۃ مادمت حیا۔ (مریم۔۳۱)

"اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کروں اور زکوۃ ادا کرتا رہوں جب تک زندہ رہوں؟"

زکوۃ کی عظمت واہمیت

اسلام میں زکوۃ کی غیر معمولی عظمت واہمیت کا اندازہ اِس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں کم از کم بتیس ۳۲ مقامات پر نماز اور زکوۃ کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ایمان کے بعد اولین مطالبہ نماز اور زکوۃ ہی کا ہے، درحقیقت اِن دو عبادتوں پر کاربند ہونا، پورے دین پر کاربند ہونا ہے، جو بندہ خدا کے حضور مسجد میں بندگی کے اِنتہائی گہرے جذبات کے ساتھ اپنے جسم وروح کو خدا کے حضور ڈال دے وہ مسجد کے باہر خدا کے حقوق سے کیوں کر غفلت برت سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اپنا محبوب مال ومتاع خدا کی رضا کے لئے خدا کی راہ میں خوشی خوشی لٹا کر سکون وطمانیت محسوس کرے وہ بندوں کے دوسرے حقوق کیوں کر پامال کر سکتا ہے اور اسلام دراصل خدا اور بندوں کے حقوق ہی سے عبارت ہے، اِسی لئے قرآن نے نماز اور زکوۃ کو اِسلام کی پہچان اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی شہادت قرار دیا ہے، سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برات اور بیزاری کا اظہار فرمانے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اگر یہ کفر وشرک سے توبہ کر کے نماز اور زکوۃ پر کاربند ہو جائیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اسلامی سوسائٹی میں

ان کا وہی مقام ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے۔

فان تابوا واقاموا الصلوة واتوالزکوۃ فاخوانکم فی الدین۔ (توبہ۔۱۱)

"پھر اگر یہ (کفر وشرک سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں"۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ نماز اور زکوۃ ایمان واسلام کی واضح علامت اور قطعی شہادت ہے اور اسی لئے قرآن نے زکوۃ نہ دینا مشرکوں کا وصف اور عمل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو آخرت کا منکر اور ایمان سے محروم بتایا ہے۔

وویل للمشرکین ο الذین لایوتون الزکوۃ وھم بالاخرۃ ھم کفرون ο (فصلت ۶،۷)

"اور تباہی ہے اِن مشرکوں کے لئے جو زکوۃ نہیں دیتے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں"۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں جب لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تو آپ نے اِن کو اسلام سے خروج اور ارتداد کے ہم معنی سمجھا اور اعلان فرمایا کہ

"یہ لوگ دورِ رسالت میں جو زکوۃ دیتے تھے اگر اِس میں سے بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے تو میں اِن کے خلاف جہاد کروں گا"۔

حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کو ٹوکا اور فرمایا، "آپ اِن لوگوں سے بھلا کیوں کر جہاد کر سکتے ہیں جو کلمہ کے قائل ہیں، حالانکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص **لا الہ اللہ** کہہ دے تو اس کا جان و مال میری طرف سے محفوظ و مامون ہو گیا"

حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سن کر اپنے آہنی عزم کا اظہار اِن الفاظ میں فرمایا۔

واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوۃ و الزکوۃ

"خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوۃ کے درمیان فرق کریں گے میں اُن کے خلاف لازماً جنگ کروں گا"۔

نماز اور زکوۃ دین کے دو بنیادی ارکان ہیں، اِن کا انکار یا اِن میں تفریق کرنا دراصل خدا کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے اور مومن کا کام یہی ہے کہ وہ مرتد کے خلاف جہاد کرے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے۔

''ہم کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے، اس کی نماز بھی نہیں ہے''۔

قرآن پاک میں اِن لوگوں کو ہدایت سے محروم قرار دیا ہے جو زکوٰۃ سے غافل ہیں۔

ھدی للمتقین o الذین یومنون بالغیب و یقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون۔(البقرہ۔۲،۳)

''ہدایت ہے اِن متقیوں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اِس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں''

اور قرآن کی نظر میں فی الواقع سچے مومن وہی ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

الذین یقیمون الصلوۃ و مما رزقنھم ینفقون o اولئك ھم المومنون حقا۔(الانفال۔۳،۴)

''اور جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اِس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں حقیقت میں یہی سچے مومن ہیں''۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی عظمت واہمیت بتاتے ہوئے فرمایا ہے۔

''سخی آدمی خدا سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، بندگان خدا سے قریب ہے اور جہنم سے دور ہے اور بخیل آدمی خدا سے دور ہے، جنت سے دور ہے، بندگان خدا سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ایک جاہل سخی، ایک عابد بخیل کے مقابلے میں خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (جامع ترمذی)

جاری ہے

محاسن اور معائب اخلاق

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

غیبت اور بدگوئی

غیبت بدگوئی اور چغلی بھی نہایت نقصان دہ اور قبیح عادت ہے۔ اجتماعی نقطہ نظر سے جتنا نقصان اس عادت سے قوم کو ہوتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ حجرات میں غیبت سے اور سورۃ النساء میں بدگوئی سے منع فرمایا ہے۔ رسول اکرمؐ نے تو غیبت کو زنا سے بھی زیادہ شدید گناہ قرار دیا ہے۔ جب صحابہ کبارؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا تو کہا کہ یا رسول اللہ غیبت زناء سے بڑھ جائے یہ کیسے ممکن ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ دیکھو اگر کوئی زنا کرے اور توبہ کرلے تو اللہ اس کو معاف کر دیتا ہے، لیکن غیبت کرنے والے کی اللہ کے ہاں معافی نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ شخص جس کی بدگوئی کی گئی ہے معاف نہ کردے۔ اس حدیث کو پڑھ کر بہت سے مسلمان متعجب ہوتے ہیں۔ وہ اس کی نفسیاتی وجہ کو نہیں سمجھ سکتے زنا ایک ایسا فعل ہے جو بے حد احتیاط سے ہزار پردوں کے پیچھے چھپ کر کیا جاتا ہے۔ اور زنا کے ہزار ہا واقعات میں سے ایک آدھ ہی منظر عام پر آتا ہے برخلاف ازیں غیبت اور بدگوئی عوام کے سامنے مجلسوں میں کی جاتی ہے۔ تنہائی میں ہو ہی نہیں سکتی۔ اب ظاہر ہے کہ جس بات کی جتنی زیادہ تشہیر ہوگی اتنا ہی لوگوں کو اس کا علم زیادہ ہوگا۔ اور وہ اتنے ہی زیادہ اس کی طرف مائل ہونگے۔ سینما اس بات کا سب سے روشن ثبوت ہے جب سے لوگوں نے فلموں میں دھوکے فریب اور رہزن وغیرہ کے نئے نئے طریقے مشاہدہ کئے ہیں۔ نئے فیشن کے بدمعاش اور ڈاکو زیادہ پیدا ہوئے ہیں، اور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے عقل کا تقاضہ ہے کہ امن قائم رکھنے کے لئے برائیوں کا ذکر بھی نہ کیا جائے۔ صرف نیکیاں اور خوبیاں ہی بیان کی جائیں تاکہ لوگوں کے کان برائی کے نام سے آشنا نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے **"لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول"** یعنی "اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ برائی کا ذکر بلند آواز سے بھی کیا جائے"۔ لیکن باوجود اس کے حالت یہ ہے کہ سینما کے پردوں، ناولوں، اخباروں، ادبی اور فلمی ماہناموں، مجلسی اور سیاسی پلیٹ فارموں حتیٰ کہ مذہبی مناظروں اور مساجد کے ممبروں تک سے بھی ہر وقت یہ گندگی فضا میں پھیلائی جاتی اور عوام کے دل و دماغ میں بسائی اور رمائی جاتی ہے۔ برائیوں کی تشہیر اس زمانہ میں اس قدر زور و شور سے ہو رہی ہے کہ معلوم ہوتا ہے دنیا میں اس کے سوا اور کوئی چیز موجود ہی نہیں۔ بہت سے ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے تو اپنا شعار ہی یہ بنا لیا ہے کہ ہر وقت گندگی اچھالا کریں۔ جنسی نکات ہوں یا غریبوں اور مزدوروں کی درد بھری حکایات جب لکھی جائیں تو

ان میں دھوکا فریب بے حیائی، عصمت فروشی یا عصمت دری وغیرہ کا بیان ضرور ہو۔ یہ لوگ عالم اور فاضل اور ماڈرن ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اتنا نہیں جانتے کہ دوسری زبانوں خصوصاً انگریزی میں ہزاروں ناول اور لاکھوں افسانے ایسے ہیں جن میں فحاشی کا نام و نشان بھی نہیں۔ باوجود اس کے وہ اتنے دلچسپ ہوتے ہیں کہ جب تک انسان ختم نہ کرے ہاتھ سے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ مگر ہمارے نوے فیصدی ناول نویس اور افسانہ نگار فحش اور عریاں مضامین کے سوا اور کسی موضوع پر لکھ ہی نہیں سکتے۔ انہیں گندے مبتذل اور پیش پا افتادہ پلاٹوں کو ادل بدل کرنے نئے ناموں نئی طرز نگارش سے پیش کرتے رہتے ہیں۔ اخبارات میں زنا، اغواء، چوری، ڈکیتی اور راہزنی کے واقعات کو نمایاں سرخیوں کے ساتھ نمایاں تر بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ہر روز ہر اخبار میں ایسی خبریں عام طور پر بکثرت نظر آتی ہیں۔ ان صحافیوں پر ہی کیا منحصر ہے ہمارے اکثر علماء، واعظ اور مناظر بھی جب تک دوسرے فرقوں کی برائیاں بیان نہ کریں اور ان کو گالیاں نہ دیں تقریر نہیں کر سکتے۔ اگر ان لوگوں سے کہا جائے کہ اس طرح برائیاں بیان کرنا منع ہے تو جواب دیتے ہیں کہ واہ ہم تو یہ اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ ان کو پڑھ کر اور سن کر برائیاں کرنا چھوڑ دیں۔ اگر یہ لوگ سچے دل سے اسی بات کے قائل ہیں اور ان کا یہ جواب ریا کاری پر مبنی نہیں تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ صحافی اور علماء باوجود عالم و فاضل ہونے کے نفسیات انسانی کی الف بے تے سے بھی واقف نہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ انسان بالفطرت جذباتی واقع ہوا ہے وہ نیکیوں کی بہ نسبت برائی اور بدی کو جلدی اختیار کر لیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ انسانی فطرت کو نہ علماء جانتے ہیں نہ ادیب اور اہل صحافت۔ جب اللہ تعالیٰ برائی کی تشہیر کو پسند نہیں کرتا تو ہم علماء یا صحافیوں کی بات کو کیسے مان لیں۔ بعض آدمی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی میں کوئی برائی یا عیب ہو اور وہ اس کی پیٹھ پیچھے بیان کر دیا جائے تو وہ غیبت نہیں ہے۔ صحابہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تو حضور نے فرمایا کہ یہی تو غیبت ہے اگر تم کسی کے متعلق ایسی برائیاں بیان کرو جو اس میں نہیں ہیں تو اس کو بہتان کہتے ہیں۔

چغلی

چغلی بھی بدگوئی کی ایک قسم ہے یہ عام لوگوں کے علاوہ دفتروں، کارخانوں اور تجارتی اداروں وغیرہ کے ملازمین میں حد سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ نالائق، کام چور اور فسادی قسم کے ملازمین جو ناجائز طریقوں سے افسروں کو خوش کر کے ترقی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ چغل خوری اور خوشامد سے اپنا مدعا حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ افسر لوگ ستر پچھتر فیصدی کانوں کے اس قدر کچے اور عقل کے اس قدر اندھے ہوتے ہیں کہ بے سوچے سمجھے بلا تحقیق ان مطلب پرستوں کی بات پر یقین کر

مستحق لوگوں سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے تمام عملے میں ہراس، بے دلی اور بد نظمی پیدا ہوتی ہے اور کام بجائے اچھا ہونے کے اور خراب ہو جاتا ہے۔ چغل خور اور خوشامدی آج سے نہیں سینکڑوں برس سے ملک اور قوم کو تباہ کر رہے ہیں۔ عوام تو ایک طرف کتنی ہی بادشاہتیں اور سلطنتیں ان کی وجہ سے برباد ہو گئیں۔ کیا ہمارے ماڈرن تعلیم یافتہ اور نفسیات انسانی کے ماہر حکام اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ ان دشمن انسانیت چغل خوروں اور حقیقی وفادار کارکنوں میں تمیز کر کے ان کی باتوں پر کان دھرنے کی بجائے انہیں سخت سزائیں دیں اور کیفر کردار کو پہنچا کر اس بہت بڑی برائی کا قرار واقعی انسداد کریں۔

حسد

یہ نہایت بری عادت ہے۔ حاسد دوسروں کو خوش دیکھ کر خواہ مخواہ دل میں جلتا رہتا ہے۔ جس سے خود اسی کو روحانی تکلیف ہوتی ہے۔ محسود کا کچھ بھی نہیں بگڑتا، حسد جب بڑھ جاتا ہے تو حاسد اپنے محسود کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اکثر اوقات کامیاب ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ جس قوم میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گی وہ قوم تباہ ہو جائے گی۔ اس لئے اگر قومی ترقی چاہتے ہو تو حسد سے باز رہو۔ اور اللہ کا یہ حکم یاد رکھو کہ "خدا نے تم میں سے ایک دوسرے کو جو برتری دے رکھی ہے اس کا کچھ ارمان نہ کرو۔ مردوں نے جیسی کمائی کی ہو ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جیسی کمائی کی ہے ان کا حصہ ہے۔ ہر وقت اللہ سے اس کے فضل کے طالب رہو وہ ہر چیز سے واقف ہے"۔ (سورۃ نساء رکوع ۵)

جھوٹ

جھوٹ اتنا بڑا گناہ اور اس کے نقصانات اس قدر واضح ہیں کہ یہاں ان کا بیان کرنا تحصیل حاصل ہے اس لئے ہم صرف ایک بات کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر تمام دنیا میں بالاتفاق ایک انٹرنیشنل ہفتہ جھوٹ کا منایا جائے۔ اور اس ہفتہ میں کوئی شخص بھی کہیں اور کبھی سچ نہ بولے تو خود غور کر لیجئے کہ اس ہفتہ کے اختتام پر کیا یہ دنیا یہی دنیا رہے گی۔

لحاظ و مروت

لحاظ و مروت نہایت ہی نیک عادت اور شرافت کی علامت ہے۔ لیکن ہماری قوم نے جہاں اور خوبیوں کو برائیوں سے بدل لیا ہے لحاظ و مروت بھی اسی طرح کیا جاتا ہے کہ بجائے فائدے کے نقصان دیتا ہے۔ لحاظ و مروت یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرو تا کہ وہ شرمندہ نہ ہو۔ مقروضوں سے تقاضہ میں سختی کرتے ہوئے شرم محسوس کرو۔ ان کے پاس روپیہ نہ ہو تو نرمی سے درگزر کرو۔ کوئی سوال کرے تو ٹالتے ہوئے شرم آئے، اس سے بھی زیادہ یہ کہ اگر کوئی

سختی سے پیش آئے تو جواب میں سختی نہ کرسکو۔ یہ سب اچھی باتیں ہیں لیکن لحاظ و مروت کے یہ
نہیں ہیں کہ کوئی تمہیں نقصان پر نقصان اور تکلیف پر تکلیف پہنچاتا رہے اور تم لحاظ و مروت
سے مداوا بھی نہ کرو۔

ہمارے شرفاء میں جس قسم کا لحاظ و مروت اب تک رائج تھا اس کی ایک مثال سنئے۔ ایک
نواب صاحب کے دانت میں درد تھا جب کسی طرح آرام نہ ہوا تو ایک مشہور انگریز ڈاکٹر کو بلایا
ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد کہا کہ دانت اکھاڑنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ نواب صاحب
بے بیتاب تھے فرمایا، بہت اچھا نکال لیجئے۔ ڈاکٹر نے تمام ضروری سامان مطب سے اٹھوا
نواب صاحب کے محل میں منگایا، اور ضروری تدابیر و احتیاط کے ساتھ دانت اکھاڑ کر واپس چلا
گیا۔ نواب صاحب کو دانت نکلوانے میں سخت تکلیف ہوئی اور ڈاکٹر کے جانے کے بعد بھی
آرام نہ آیا۔ اس پر ایک مصاحب بولا کہ حضور سو روپیہ تو آپ نے اس کو فیس کے دیئے اتنا خون
نکلا اور اس قدر تکلیف ہوئی کیا فائدہ ہوا اس انگریز ڈاکٹر کو بلانے سے، نواب صاحب نے نہایت
آہستہ سے جواب دیا کہ اس میں ڈاکٹر بے چارے کا کوئی قصور نہیں خطا میری ہی ہے۔ مصاحب
نے حیران ہوکر پوچھا وہ کس طرح؟ نواب صاحب بولے کہ اس نے بجائے بیمار دانت کے اچھا
دانت اکھاڑ لیا اور میں نے بتایا نہیں۔ مصاحب نے اور بھی حیران ہوکر پوچھا یہ کیوں؟ نواب
صاحب نے فرمایا ''بھئی مجھے تو لحاظ آیا کہ اس کی غلطی اسے بتادونگا تو بے چارہ شرمندہ ہوگا'' تو
جناب ایسا لحاظ و مروت تو دنیا میں کہیں بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

عجز و انکساری

عجز و انکساری بھی ایک اچھی عادت ہے۔ لیکن صرف اسی وقت جب اس میں ریاکاری اور
تصنع نہ ہو۔ عجز و انکساری یہ ہے کہ جو لوگ مرتبہ، علم اور دولت اور وجاہت وغیرہ میں تم سے کم
ہوں۔ ان سے جب ملو اس طرح ملو کہ انہیں اپنی کمتری کا احساس نہ ہو۔ اگر وہ تمہارے پاس
آئیں تو ان سے عزت و محبت کا سلوک کرو۔ پاس بٹھاؤ، ساتھ کھلاؤ اور بے تکلفی سے پیش آؤ۔
اگر تم ان کے گھر جاؤ، تو ان کے بوریئے یا پھٹی ہوئی دری پر بیٹھنا اور ان کی چٹنی روٹی کھانا تم کو ذرا
بھی ناگوار نہ ہو۔ یاد رکھیئے کہ یہ غریب لوگ اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے کہ امراء اور حکام وغیرہ
ان سے میٹھی زبان بولیں اور عزت کا برتاؤ کریں۔

اگر ہمارے امراء اور حکام صرف اتنا ہی کریں تو کمیونزم کا خطرہ بقدر پچاس فیصدی کم
ہوجائے۔ عجز و انکساری یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسمسا سا منہ بنا کر بولو اور مصنوعی حرکات سے اپنے کو
ذلیل و حقیر ظاہر کرنے کی کوشش کرو، یا اگر تم سے تمہارے مرتبہ، علم و دولت وغیرہ کے متعلق پوچھ

جائے تو حقیقت کو چھپانے اور اپنی کمتری کو ظاہر کرنے میں اتنا مبالغہ کرو کہ بات ریا کاری اور بھونڈے پن تک پہنچ جائے۔

اب سے پچاس سال پہلے کا ذکر ہے کہ بورڈ آف اگزامز کے سیکرٹری کو جو کرنل تھا ایک ایسے شخص کی ضرورت پیش آئی جو اردو اور انگریزی دونوں کا ماہر ہو۔ دریافت کرنے پر ایک ایسے مولوی صاحب کا پتہ لگا جو صرف اردو انگریزی ہی نہیں بلکہ فارسی اور عربی کے بھی فاضل تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب کو لکھا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو بورڈ آف اگزامز میں ایک معقول آسامی دے سکتے ہیں۔ انٹرویو کے لئے تشریف لے آیئے۔ اس زمانہ میں بورڈ آف اگزامز کا دفتر کلکتہ میں تھا۔ مولوی صاحب کلکتہ گئے اور کرنل صاحب کی کوٹھی پر پہنچ کر اپنا کارڈ بھیجا۔ کرنل خود باہر نکل آیا اور مولوی صاحب کو بہ عزت و اکرام ساتھ لے جا کر کمرے میں بٹھایا۔ ادھر ادھر کی رسمی گفتگو کے بعد کرنل نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے فاضل اجل ہیں۔ ہمیں ایک ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے۔ مولوی صاحب اگرچہ واقعی چاروں زبانوں کے ماہر تھے مگر اپنی لیاقت کا ذکر اپنے منہ سے کس طرح کر سکتے تھے۔ ازراہ انکسار فرمانے لگے نہیں حضور میں تو بہت معمولی سا علم رکھتا ہوں۔ کرنل بولا نہیں نہیں مجھ کو فلاں صاحب نے بتایا ہے اور آپ کی فضیلت کی بڑی تعریف کی ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا یہ ان کا حسن ظن ہے جو ایسا فرماتے ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم کہاں میں اور کہاں فضل و کمال۔ اس کے بعد کرنل نے اور بھی کئی معززین کا حوالہ دیا کہ فلاں فلاں نے بھی آپ کے علم و فضل کے بارے میں یہی کہا ہے لیکن مولوی صاحب ہر مرتبہ انکار اور اپنی ہیچ مدانی کا اظہار فرماتے رہے جب کافی دیر ہو گئی تو کرنل نے کہا اچھا میں سمجھا۔ وہ کوئی اور صاحب ہونگے جن کی بابت مجھے اطلاع دی گئی تھی۔ معاف کیجئے گا سخت غلط فہمی ہوئی اور آپ کو ناحق تکلیف دی گئی۔ آپ دفتر سے آمد و رفت کا کرایہ لیں اور تشریف لے جائیں۔ ساتھ ہی اس نے گھنٹی بجائی اور چپڑاسی کو بلا کر کہا مولوی صاحب کو دفتر کا راستہ دکھاؤ۔ اس پر مولوی صاحب بہت سٹ پٹائے اور کچھ کہنا چاہا لیکن کرنل صاحب نے بات نہیں کی اور مولوی صاحب بے نیل و مرام واپس آئے۔ تو ایسی بھی عجز و انکساری کیا، عجز و انکساری تو صرف یہ ہے کہ قول و فعل اور حرکات و سکنات سے رعونت، خشونت اور کبر و غرور نہ پایا جائے۔

کبر و غرور

غرور بہت ہی سخت برائی ہے۔ افراد اور جماعتوں کے افتراق اور تباہی کے اسباب میں یہ ایک بڑا سبب ہے غرور یہ نہیں ہے کہ تم اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، عالی شان مکانوں میں رہو، عمدہ

سواریاں اور بہت سے نوکر چاکر رکھو۔ غرور یہ ہے کہ دوسروں کو اپنے سے گھٹیا اور ذلیل وحقیر جان
ان سے ملنا اور سیدھے منہ بات کرنا اپنے لئے باعث عار سمجھو اور ان کو اپنے پاس بٹھانے میں شرم
محسوس کرو۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ **اکرمکم عنداللہ اتقیٰ کم** "اور تم باوجود گنہگار
ہونے کے اپنے آپ کو شریف اور دوسرے غریب لیکن نیک لوگوں کو ذلیل خیال کرو"۔ غرور ان
چیزوں سے پیدا ہوتا ہے جسمانی طاقت، دولت، حسن، منصب، ذات پات، عبادت اور روحانی
بزرگی۔ یاد رکھو یہ سب چیزیں فانی ہیں باقی رہنے والی صرف نیکی اور نیک نامی ہے۔ مغرور آدمی
نہ تو نیک ہوتا ہے نہ نیک نام، نہ خدا اس کو پسند کرتا ہے نہ دنیا۔ سب سے خطرناک قسم کا غرور وہ
ہے جو روحانی بزرگی یا عبادت پر ہو۔ اکثر سالک اس لئے مردود ہو جاتے اور ناکام رہتے ہیں کہ
وہ اپنے کشف و کرامات پر مغرور ہو کر دوسروں کو اپنے سے کمتر حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔ ایسے
عابد و زاہد جن کو حکمت و سلوک سے کوئی حصہ نہ ملا ہو اور جنہوں نے تزکیہ اخلاق نہ کیا ہو، دوسروں کو
گنہگار اور اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھ کر غرور کرتے ہیں۔ انکا سب زہد و تقویٰ محض غرور کی وجہ
سے خاک میں مل جائے گا اور کسی کام نہ آئے گا۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہم جن کو ذلیل وحقیر
سمجھتے ہیں ممکن ہے ان کا کوئی نیک عمل اللہ کو پسند ہو، کبر تو صرف کبریا ہی کو سزاوار ہے، بندہ سراسر
عاجز اور گنہگار ہے اللہ ہی جانے کہ ہم دن میں کتنے گناہ کرتے ہیں، جو ہمیں محسوس بھی نہیں
ہوتے۔ اس لئے کسی چیز پر کبھی غرور نہیں کرنا چاہیے۔ اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے غرور کا
علاج یہ ہے کہ جب تمہیں اپنی برتری کا احساس ہو تو اپنے سے بہتر لوگوں پر نظر کرو اور احساس
کمتری ستائے تو اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو۔

قناعت

قناعت بہت ہی اچھی صفت ہے لیکن آج کل اس کے معنی بھی صبر و توکل وغیرہ کی طرح غلط
سمجھے جاتے ہیں۔ قناعت یہ نہیں ہے کہ جو کچھ میسر آئے اس سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش نہ
کرو۔ اور دل میں اللہ سے شکایت اور ناشکری کے جذبات لئے جلتے اور کڑھتے رہو۔
قناعت یہ ہے کہ جس حال میں ہو سچ مچ خوش رہو اور آئندہ کے لئے برابر ترقی کی کوشش
کرتے رہو۔ اور امید رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کوششوں کو ضرور بارآور کرے گا، جو آدمی ہر حال
میں خوش رہتا ہے اس کے قوائے عمل کبھی سست اور مضمحل نہیں ہوتے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے پورے
جوش کے ساتھ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو کام بے دلی اور سستی سے کیا جاتا ہے اس میں کامیابی نہیں
ہوتی۔ لیکن جو کام جوش اور خوشی سے کیا جاتا ہے اس میں اکثر کامیابی ہوتی ہے۔

وانک لعلیٰ خلق عظیم

(حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جو دلائل قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک بڑی اہم دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ ہیں فرمایا گیا ہے۔ **انک لعلیٰ خلق عظیم** یعنی آپ اخلاق کے بلند ترین درجے پر ہیں۔

جو لوگ آپ کی نبوت کو جھٹلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے آپ کے اخلاق کو پیش کیا ہے کہ اس اخلاق و کردار کے انسان کو تم کیسے جھٹلا سکتے ہو؟ اور حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی طرح کے تعصب کے بغیر حضورؐ کی پاک زندگی پر نگاہ ڈالے تو اس کا دل گواہی دے گا کہ یہ اللہ کے رسولؐ کے سوا کسی اور کی زندگی نہیں ہوسکتی۔

قریب ترین تعلق رکھنے والوں کی شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے دو دور ہیں۔ ایک دور نبوت سے پہلے کے چالیس سال کا اور دوسرا نبوت کے بعد کے ۲۳ سال کا ہے۔ نبوت کے بعد کے دور میں بھی ۱۳ سال آپ نے مکہ معظمہ میں گزارے اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ نبوت سے پہلے کے چالیس سال میں آپ کی زندگی کیسی تھی، اس کا اندازہ کرنے کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والی وہ ہستیاں تھیں جن کو سب سے زیادہ قریب سے آپؐ کو دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ مثلاً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اِن میں سے حضرت علیؓ کے متعلق ایک مخالف اسلام یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اس وقت آٹھ دس سال کے بچے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کو پرورش کیا تھا، لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تو پچپن سال کی سن رسیدہ خاتون تھیں۔ پندرہ سال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں۔ ایک بیوی سے بڑھ کر اپنے شوہر کی عادات و خصائل اور اخلاق و مزاج کو جاننے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ حضرت خدیجہؓ کے متعلق تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ قریش کی نہایت فرزانہ اور دانش مند خاتون تھیں۔ پندرہ سال آپؐ کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اِن کی رائے کا اندازہ اِس بات سے ہو جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے غار حرا کا واقعہ بیان کیا تو انہوں نے ایک لمحے کا تامل کئے بغیر یہ تسلیم کر لیا کہ آپ صلعم کو واقعی اللہ نے اپنا نبی بنایا ہے۔ ان کو یقین آ گیا کہ جب اس اخلاق و کردار اور

سیرت کا انسان یہ بات کہہ رہا ہے کہ میرے پاس خدا کی طرف سے نبوت کا پیغام آیا ہے تو وہ سچ کہہ رہا ہے۔

دوسرے شخص حضرت ابوبکرؓ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ہم عصر تھے یعنی وہ آپؐ سے عمر میں صرف دو سال چھوٹے تھے۔ وہ حضورؐ کے پرانے دوست اور ہم نشین تھے۔ دوست سے زیادہ دوست کو جاننے والا کوئی نہیں ہوتا۔ دوست، دوست کے عیب، صواب ہر چیز کو جانتا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ اللہ نے آپؐ کو نبوت سے سرفراز کیا ہے تو انہوں نے بھی ایک لمحے کا تامل کئے بغیر تسلیم کرلیا کہ فی الواقع آپؐ اللہ کے نبی ہیں۔ ان کے دل میں سرے سے کوئی شک گزرا ہی نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی زندگی ایسی پاکیزہ تھی اور آپؐ کا اخلاق و کردار اتنا بلند تھا کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے آدمی کو فوراً یقین آ گیا کہ آپؐ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے ہیں۔

تیسرے شخص حضرت زید بن حارثہؓ ہیں۔ وہ پختہ عمر کے آدمی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کئی سال سے خادم کی حیثیت سے رہتے تھے۔ کسی گھر کا خادم یا ملازم آدمی کے ہر پہلو سے واقف ہوتا ہے۔ کوئی عیب یا صواب اس سے چھپ نہیں سکتا۔ حضرت زیدؓ نے بھی جس وقت حضورؐ کا دعویٰ نبوت سنا، اسی وقت بغیر کسی شک کے اسے درست تسلیم کرلیا۔ ان کو بھی اس امر میں کوئی شک لاحق نہیں ہوا کہ آپؐ واقعی اللہ کی طرف سے نبی بنا کر مامور کئے گئے ہیں۔

دشمنوں کی تباہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کے بلند ترین درجے پر فائز ہونا ایک ایسی سچائی ہے کہ اس کی شہادت آپؐ کے بدترین مخالفوں کے طرز عمل میں بھی ملتی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور عوام میں سرداران قریش آپؐ کی مخالفت کیلئے بڑی شدت کے ساتھ کھڑے ہوگئے تو آپؐ کے کسی بد سے بدتر مخالف نے بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ جناب آپ نبوت کا دعویٰ کیا کر رہے ہیں، آپؐ یہ تو کہیں کہ آپؐ کی زندگی کیسی گزری ہے۔ آپؐ کے دشمنوں نے آپؐ پر شاعر، ساحر اور کاہن وغیرہ جیسے مضحکہ خیز الزامات تو لگائے۔ لیکن آپؐ کا کوئی بدترین دشمن بھی آپؐ پر کبھی کسی طرح کا اخلاقی الزام نہیں لگا سکا۔

وقت کی شہادت

پھر ایک بات یہ بھی غور طلب ہے کہ نبوت سے پہلے کی آپؐ کی چالیس سالہ زندگی انتہائی پاکیزہ اخلاق کی تو تھی لیکن نبوت کے دعوے سے ایک دن پہلے تک بھی کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکا کہ

ہونے سے ایسی کوئی بات نہیں سنی تھی، نہ آپ کا ایسا کوئی طرز عمل دیکھا تھا جس کی بناء پر اسے یہ خیال ہوتا کہ آپ کوئی مذہبی دعویٰ لیکر اُٹھنے والے ہیں۔ آپؐ کے دشمنوں نے بھی کبھی آپ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ جناب آپ تو پہلے سے نبوت کی تیاری کر رہے تھے اس لئے آپؐ کے اس دعویٰ نبوت کی حقیقت ہم کو معلوم ہے۔

ماحول کی شہادت

اس کے بعد اس بات پر بھی غور کیجئے کہ مکہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کے جو تیرہ سال گزرے ہیں ان میں آپؐ ہی کے قبیلے اور بستی کے کچھ لوگ تھے، جنہوں نے آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ دونوں کے طرز عمل کو آپ دیکھیے۔ جو لوگ حضورؐ پر ایمان لائے تھے، وہ وہی لوگ تھے جن کے درمیان چالیس سال آپ نے زندگی گزاری تھی اور حضور کی زندگی کا کوئی گوشہ ان کی نظر سے چھپا ہوا نہیں تھا۔ ظاہر بات ہے کہ ایک آدمی اپنی بستی سے باہر جا کر تو اپنی بزرگی کے ڈھول پیٹ سکتا ہے اور لوگ اس کے معتقد بھی ہو سکتے ہیں لیکن ایک آدمی کے اپنے محلے اور بستی کے لوگ، جن کے سامنے اس نے بچپن سے لے کر جوانی تک اور جوانی سے لے کر ادھیڑ عمر تک زندگی بسر کی ہو، وہ اِس وقت تک اس بات کے قائل نہیں ہو سکتے کہ یہ واقعی اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہے جب تک کہ اُنہوں نے اِس کی پاکیزہ ترین زندگی نا دیکھی ہو۔ رسول اللہؐ پر ایمان لانے والوں نے چونکہ آپ کو نہایت درجہ بلند اخلاق پایا تھا اس لئے انہوں نے اس بات کا یقین کر لیا کہ حضورؐ جو نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ اس کردار اور سیرت کے آدمی کو یقیناً اللہ کا نبی ہی ہونا چاہیے۔

دعوت اور کردار میں کوئی بُعد نہ تھا

اب آپ دشمنوں پر حضورؐ کے اخلاقی اثر کو دیکھئے۔ رسول اللہ ﷺ دشمنانِ اسلام کی برائیوں پر تنقید فرماتے تھے۔ جن عیوب میں وہ معاشرہ مبتلا تھا، ان میں سے ایک ایک عیب پر حضور ﷺ گرفت فرماتے تھے اور لوگوں کو بھلائیوں کی تلقین کرتے تھے، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ آپ کو جھٹلانے پر جو لوگ تلے ہوئے تھے، ان میں سے کسی شخص نے کبھی اُٹھ کر یہ نہیں کہا کہ جناب آپ جن برائیوں سے ہمیں روک رہے ہیں وہ تو خود آپ کی زندگی میں پائی جاتی ہیں یا جن بھلائیوں کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں، ان پر خود آپ کا عمل نہیں ہے۔

آپ کے بلند کردار کا آپ کے دشمنوں پر جس قدر اثر تھا، اس کا اندازہ صرف ایک واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ اگر چہ اس سلسلے میں اور بھی بہت سے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر میں

نمونے کے طور پر صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔

کردار کے سامنے بے بسی

سب کو معلوم ہے کہ مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن ابوجہل تھا۔ ایک دن حضور حرم مکہ کے ایک گوشے میں تشریف فرماتے اور دوسری طرف سرداران قریش محفل لگا کر بیٹھے تھے۔ اتنے میں مکے سے باہر کا رہنے والا ایک دوسرے قبیلے کا آدمی فریاد کرتا ہوا سرداران قریش کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرا اونٹ ابوجہل نے خریدا ہے مگر اب قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ میں باہر کا آدمی ہوں اور میرا یہاں کوئی بھائی بند نہیں ہے۔ آپ میری فریاد سنیں اور میرے اونٹ کی قیمت مجھے دلوائیں۔ سرداران قریش نے ازراہ مذاق اس شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ سامنے جو صاحب تشریف رکھتے ہیں، ان کے پاس جاؤ، وہ تمہاری رقم دلوادیں گے۔ وہ شخص ناواقف تھا۔ سیدھا آپ کے پاس گیا اور جا کر مدعا عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب وہ باہر نکلا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سامنے کھڑے ہیں۔ آپ نے اس سے کہا کہ تم نے اس شخص سے اونٹ خریدا تھا، لیکن اب اس کی قیمت دینے میں اسے بلاوجہ تنگ کر رہے ہو، اس کی قیمت ادا کرو۔ ابوجہل سیدھا گھر کے اندر گیا اور واپس آ کر اس شخص کو اس کے اونٹ کی قیمت ادا کر دی۔

آپ اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار اور شخصیت کا کتنا زبردست اثر اس شخص پر تھا جو آپ کا بدترین مخالف تھا۔ کوئی شخص مکے میں یہ ہمت نہیں رکھتا تھا کہ ابوجہل کو جا کر ٹوک سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر اسے ٹوکا اور ایک مظلوم کا حق اسے دلوایا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے مخالفین بھی آپ کے اخلاق کی بلندی سے مرعوب تھے، اور اس لحاظ سے آپ کے سامنے سر نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ اگر آپ کی زندگی میں کوئی ذرہ برابر جھول یا داغ ہوتا تو ابوجہل جیسا آپ کا بدترین دشمن اس کی طرف اشارہ کئے بغیر نہ رہتا، لیکن وہاں تو کوئی داغ تھا ہی نہیں۔

اب اس کے بعد آپ مدینہ طیبہ کی زندگی کو ملاحظہ کیجئے۔

پوری انسانی تاریخ میں صرف ایک مثال

انسان یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دس سال اس حیثیت میں زندگی بسر کی ہے کہ لوگوں سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ تمہارے لئے بہترین نمونہ حضور کی ذات ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

ترجمہ: ''تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ میں بہترین نمونہ ہے''۔

کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ایک معاشرے میں اور ایک پورے ملک میں لوگوں سے یہ بات کہہ دی جائے کہ یہ شخص تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی کو کھلی کتاب کی طرح لوگوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔ آپ کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہ تھی سب کچھ پبلک تھا۔ لوگوں کو ہر وقت اجازت تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود آپ کی زندگی دیکھیں آپ کے اقوال کو سنیں اور لوگوں تک پہنچائیں آپکے افعال کو دیکھیں اور لوگوں سے بیان کریں بلکہ ان کو یہ بھی اجازت تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود آپ کی زندگی کو دیکھیں اور لوگوں سے بیان کریں، بلکہ ان کو یہ بھی اجازت تھی کہ وہ ازواج مطہرات سے آپ کی نجی زندگی کے متعلق بھی معلومات حاصل کریں۔ اِس کے معنے یہ ہیں کہ ایک ہستی پورے دس سال تک اس طرح عوام کے سامنے رہی کہ اِس کی زندگی کا کوئی پہلو بھی اِن سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ خدا کے رسولؐ کے سوا کوئی انسان اِس آزمائش پر پورا نہیں اُتر سکتا۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے کہ کوئی انسان اپنے آپ کو اس آزمائش کے لئے پیش نہیں کر سکتا کہ ہر وقت، ہر پہلو سے اس کا جائزہ لے کر دیکھا جائے اور پھر کسی پہلو سے اس کے اندر کوئی عیب، کوئی نقص، کوئی خامی اور کوئی کمزوری نہ پائی جائے۔ بلکہ جس پہلو سے بھی اسے دیکھا جائے کامل درجے کا انسان نظر آئے اور اس کے متعلق فی الواقع لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں کہ ہاں یہی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ یہ مقام پوری انسانی تاریخ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔

حضورؐ کی گھریلو زندگی کو دیکھیے تو بہترین شوہر اور بہترین باپ ہیں۔ باہر کی زندگی کو دیکھیے تو بہترین دوست اور بہترین ہمسائے ہیں۔ معاملات میں جس شخص کو بھی آپ سے سابقہ پیش آیا ہے اس نے آپ کو کھرا پایا ہے۔ عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہیں تو بے لاگ انصاف کیا ہے۔ غم بھی پیش آیا ہے، خوشی بھی دیکھی ہے، غصہ بھی آیا ہے اور محبت بھی کی ہے، لیکن کسی حالت میں حضورؐ کی زبان مبارک سے کسی شخص نے کوئی کلمہ حق کے خلاف کبھی نہیں سنا۔ دس سال تک لوگ ہر وقت اور ہر آن آپ کی باتیں سنتے رہے اور دنیا کے سامنے اِن کو پہنچاتے رہے لیکن آپ کی زبان سے کبھی کوئی بات حق کے خلاف نقل نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ غصے میں بھی کسی کے لئے برے الفاظ زبان پر نہ آئے۔ یہ شان کسی معمولی آدمی کی نہیں ہو سکتی۔

عملی زندگی میں خیر و شر اور اجتہاد کی ضرورت

مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری

انسان کا نصب العین مختلف اقدار کے راستے سے ''قدر الاقدار'' تک پہنچنا ہے۔ لیکن اس
سلسلے میں چند اہم حقائق کو بھی پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جہاں تک ایک اچھی سکیم کا تعلق
ہے یہ ذہن رسا کے لئے دشوار کام نہیں آبادی سے دور کسی ویران غار کوہ میں بیٹھ کر انسان اعلیٰ سے
اعلیٰ خیالات وتصورات قائم کرسکتا ہے۔ دشواری کا وہاں پتہ چلتا ہے جہاں ان اسکیموں کو بروئے
کار لانا ہو۔ اس مقصد کے لئے انسان کو دنیا میں آنا پڑتا ہے عقیدے سے عمل کی طرف، تجرید سے
تعمل کی طرف اور ویرانے سے آبادی کی طرف آنا پڑتا ہے۔ ایک انجینئر اپنے ذہن میں ایک
نفیس کوٹھی کا نقشہ آسانی سے تیار کرسکتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے اس کے لئے سخت ذہنی کاوش
کرنی پڑے۔ لیکن اصل دشواری کا احساس اسے اس وقت ہوگا جب اس نقشے کو کاغذ پر منتقل
کرے گا۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کاغذی نقشے سے جب وہ مشہود شکل میں لانے کھڑا ہوگا تو
زمین کا انتخاب، مواد کی فراہمی، کاریگروں کی تلاش، نگرانی کے فرائض وقت کا انتظار بھی کرنا ہوگا۔
اور پھر بھی ہر ہر قدم پر سینکڑوں قسم کی نئی نئی رکاوٹیں، دشواریاں اور الجھنیں پیش آتی رہیں گی جن
میں بعض تو ایسی ہونگی کہ ذرا سی غفلت پوری اسکیم کو درہم برہم کرسکتی ہے یا پورے نقشے کو بگاڑ سکتی
ہے۔

یوں ہی سمجھئے کہ علائق دنیا سے الگ ہوکر محض خوشنما تصورات میں کھوئے رہنا دشوار نہیں۔
دشواریوں کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ان تصورات واقدار کو مشہود پیکر میں لانے کے لئے
آباد دنیا اور اس کے معاشرے سے پالا پڑتا ہے۔ اس وقت موانع اور بقائے اقدار میں جو شدید
کش مکش پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ وہ لوگ کر ہی نہیں سکتے جو قطع علائق کر کے کسی زاویہ خمول میں
بیٹھے ہوئے آسمان تخیل میں شاعرانہ پرواز کیا کرتے ہیں اور عملی دنیا سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔
اعلیٰ اقدار کو ذہن میں رکھ کر جب دنیا میں آنا پڑے تو کسی ''قدر'' کے حصول کے لئے اسی ''قدر''
کو بعض اوقات مجروح کرنا پڑتا ہے۔ اس کے سوا چارہ کار ہی نہیں ہوتا۔ ایک مثال سے اسے یوں
سمجھئے کہ انسانی جان کی بڑی قدر و قیمت ہے اس لئے ظاہر ہے کہ انسانی جانوں کو محفوظ رکھنا بڑی
اعلیٰ قدر ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن انسانی جانوں کی حفاظت ہی کی خاطر انسانوں کا خون
بہانا بھی بعض اوقات لازمی ہوتا ہے اور ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں جب کہ ایک اعلیٰ مقصد
کے لئے انسانی خون بہانا ہی اعلیٰ قدر ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے انسان کو جان بوجھ

قتل کر دے تو اس قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ کیوں؟ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو کام قاتل نے
کیا ہے وہی کام سوسائٹی کرتی ہے۔ اس نے بھی قتل ہی کیا اور سوسائٹی بھی قتل ہی کرتی ہے۔ دونوں
میں بظاہر کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن قاتل کو اس کے قتل کی سزا قتل کی شکل میں اس لئے دی
جاتی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اسے مزید ارتکاب جرم یعنی واردات قتل کرنے کی جرات بھی
ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں دوسروں کے لئے بھی ایسے اقدامات کی جسارت ممکن ہو جائے گی۔
دیکھیے یہاں اس مثال میں پہلا قتل تو حرام تھا اور دوسرا قتل عین حلال ہے۔ حالانکہ دونوں کی
ظاہری شکل یکساں ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ پہلا قتل ناحق ہے اور دوسرا حق ہے۔ یہ
دوسرا قتل قتل ہونے کے باوجود حق کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ یہ ایک قتل بہت سی جانیں بچا
لیتا ہے۔ ایک انسان کی جان سزا میں جاتی ہے لیکن بہت سی دوسری جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔
آپ نے دیکھا؟ اصل مقصد تو یہی ہے کہ خوں ریزی سے اجتناب کیا جائے۔ لیکن دنیائے
عمل میں قدم رکھنے کے بعد اس نصب العین سے کبھی کبھی نیچے بھی اترنا پڑتا ہے اور یہ اسی نصب
العین کے حصول کی خاطر ہوتا ہے۔ یہ تنزل محض ظاہری تنزل ہے ورنہ مقصد دونوں کا ہی انسانی
جان کی حفاظت ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ بعض اوقات ایک نصب
العین کے حصول کے لئے بظاہر اسی نصب العین کو مجروح کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے
ایک پھوڑے کی تکلیف سے نجات دلانے کے لئے نشتر لگانا پڑتا ہے اس میں تکلیف تو ہوتی ہے
مگر اس کا مقصد تکلیف پہنچانا نہیں بلکہ آرام دینا ہوتا ہے۔ لیکن آرام دینے کا یہ مقصد ایک نشتری
تکلیف ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ مقصد آرام ہے کسی حد تک اسی مقصد کو مجروح کیا جاتا ہے۔ یوں
کہیے کہ قریب قریب ہر قدر کے حصول کے لئے اسی قدر کو کچھ نقصان پہنچانا بھی ایک قدر ہے اور
یہ کچھ ناگزیری قدر ہے۔

جب ایک قدر کے حصول کے لئے اسی قدر کو مجروح کرنا پڑتا ہے تو اس طرز عمل کے اندر سے
بھی ایک دوسری اعلیٰ قدر پیدا ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی قدر کو مجروح ہی کرنا پڑے اور اس
کے بغیر اس قدر کا حصول ممکن نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ اس کی مجروحیت کو کم سے کم کر دیا
جائے۔ مثلاً کسی کو اگر قتل ہی کرنا پڑے تو اسے کم سے کم تکلیف دی جائے۔ یا اسے اس سے زیادہ
تکلیف نہ دی جائے جتنی اس نے اپنے مقتول کو دی ہے۔ یا اگر کسی فساد کو دور کرنے کے لئے
جنگ و قتال کرنا ہی پڑے تو کم سے کم تعداد قتل پر اکتفا کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ محافظت اقدار کی صرف ایک شکل تھی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ
ایک [illegible] کی محافظت [illegible] ہوتی ہے کسی دوسری قدر کے مجروح ہونے پر۔ یعنی جس قدر [illegible]

ہو خود اسی کو تو مجروح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن کوئی دوسری قدر مجروح ہو جاتی ہے۔ مثلاً امن و امان قائم کرنا بڑی اعلیٰ قدر ہے لیکن اس کے قیام میں کبھی کبھی سختی و تشدد بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ تشدد یا تادیب بظاہر رحم و کرم کے خلاف ہوتا ہے لہٰذا ہر تادیبی کاروائی رحم و کرم جیسی اعلیٰ قدر کو کچھ نہ کچھ ضرور مجروح کرے گی۔ لیکن اس کے بغیر امن و مان یا ادب آموزی ہو ہی نہیں سکتی۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک مقصد کے حصول کے لئے اس سے ادنیٰ مقصد کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ کھاد کی قربانی سے پودا اور پودے کی قربانی سے چوپایہ اور چوپائے کی قربانی سے انسان کو نمو حاصل ہوتا ہے۔ گویا ادنیٰ سطح کی قربانی سے اعلیٰ سطح کا نشو و نما ہوتا ہے۔ اسی طرح اعلیٰ قدر کی محافظت کے لئے کسی دوسری ادنیٰ قدر کو قربان یا مجروح کرنا پڑتا ہے۔ قدرت کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ اس سے مفر نہیں۔ ایسے مواقع پر جب کہ اعلیٰ قدر کے لئے ادنیٰ قدر کو مجروح کرنا پڑے تو ایک دوسری قدر اس کے اندر سے بھی ابھرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اعلیٰ قدر کے زیادہ سے زیادہ حصول کے لئے ادنیٰ قدر کو کم سے کم مجروح یا قربان کیا جائے۔ بظاہر یہی نظر آئے گا کہ ایک قدر مجروح یا قربان ہو رہی ہے لیکن دراصل اس وقت دو دو قدریں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی اعلیٰ قدر حاصل ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ دوسری قدر کم سے کم مجروح ہوتی ہے اور یہ بجائے خود ایک اعلیٰ قدر ہے۔ فرض کیجئے ڈاکوؤں کا ایک گروہ یا ایک گاؤں زندگی کو اجیرن کئے ہوئے ہے۔ جس کا استیصال امن و امان کے لئے ضروی ہے ظاہر ہے کہ نصیحت و پند کے تمام مراحل کے بعد اگر یہ راہ راست پر نہ آئیں تو تادیبی کاروائی کرنی ہی پڑے گی۔ لیکن اس کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ ساری آبادی کو ختم کر دیا جائے یا ہر ایک کو لامتناہی تشدد کا نشانہ بنایا جائے۔ بلکہ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ کون سے کم سے کم سختی یا تادیبی کاروائی ہے جو اس فتنے کا استیصال کر سکتی ہے۔

زندگی میں بہت سے مراحل ایسے بھی آتے ہیں جہاں شر کے اندر سے خیر ابھرتی ہے۔ اس وقت انسان کو شر ہی اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن وہ اختیار شر ہی عین خیر ہوتا ہے۔ یہ ان مواقع پر ہوتا ہے جہاں انسان کے سامنے دو یا زیادہ شر ہوں۔ اور اسے ان میں سے کسی ایک کا مجبوراً انتخاب کرنا پڑے۔ یعنی اس کے سامنے جو چیزیں آ رہی ہیں وہ شر ہیں لیکن وہ ان سب سے بھاگ نہیں سکتا۔ اسے کسی ایک کو اختیار کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس سے مفر نہیں ہو سکتا ایسی صورت میں یہ کرنا چاہیے کہ جس میں شر کم سے کم ہو اسی کو اختیار کر لے۔ اسی کو **اھون الشرین** یا **اھون البلیتین** کہتے ہیں۔ یہاں بظاہر انسان شر ہی کو اختیار کرتا ہے لیکن دراصل یہ خیر ہی ہے کیونکہ صرف خیر کو اختیار کر لینا ہی ایک قدر نہیں۔ بڑے شر سے بچ جانا بھی خیر ہی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انسان کسی ایسی جگہ پھنس جاتا ہے جہاں اس سے کہا جاتا ہے کہ یا تو شراب پیو یا فلاں کو قتل

کرو ورنہ تم کو جان سے مار دیا جائے گا۔ یہاں اس کے سامنے تین شر ہیں جان دینا، شراب پینا اور کسی کو قتل کرنا۔ اب اسے ان تینوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ ایسی حالت میں اگر اسے جان بچانا ضروری ہے تو اسے شراب پینے کو قتل پر ترجیح دینی پڑے گی۔ مگر ہاں یہ ضروری نہیں کہ ہر موقع پر ایسا ہی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کسی موقعے پر جان دے دینا ہی اعلیٰ قدر ہو۔ ایسے مواقع پر انسان کو جلد سے جلد نیک نیتی و اخلاص کے ساتھ سوچ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کس چیز کو اختیار کرے اور کسے چھوڑ دے۔ اس وقت تھوڑے سے وقت میں ہر قدر کے تمام پہلوؤں کے قریب اور بعید نتائج کو نیز عارضی اور مستقل اثرات کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور قرآنی اصطلاح میں اسی فیصلے کا نام حکم اور حکمت ہے۔ انسان اس میں بڑی ٹھوکریں کھاتا ہے اور وحی انہیں ٹھوکروں سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ وحی الٰہی یہی حکم و حکمت پیدا کرنا چاہتی ہے۔ وحی کے باوجود انسان سے اس میں لغزشیں ہوتی رہتی ہیں اور اس کی تلافی اخلاص یا نیک نیتی سے ہوتی ہے۔

وحی کی روشنی میں ایک اسلامی معاشرہ جو بھی قانون تجویز کرے گا اس کا شر سے قطعی پاک ہونا بالکل ناممکن ہے۔ ہر قانون میں کسی نہ کسی نقصان کا پہلو ضرور موجود ہوگا۔ لہٰذا معاشرے کا کام صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ شر کو زیادہ سے زیادہ دور کرے اور خیر کو زیادہ سے زیادہ سمیٹے۔ جب دونوں پہلو سامنے آئیں تو یہ فیصلہ کرے کہ کس میں خیر غالب ہے اور کس میں شر غالب۔ پھر چونکہ شر سے کلیتًا اجتناب اور خیر کلی کا حصول انسانی اختیار سے باہر ہے اس لئے اسے یہی کرنا ہے تاکہ غالب شر کو ترک کر کے غالب خیر کو منتخب کرے۔ اس سے زیادہ انسان اور کچھ نہیں کرسکتا۔

ہمارے معاشرے میں یہ ایک عام دستور ہے کہ جب کوئی ہدایت جاری ہوتی ہے یا کوئی تجویز پیش ہوتی ہے تو اس کے پہلوئے خیر پر تو نگاہ نہیں جاتی۔ بس شر کے پہلو پر غور و خوض شروع ہوکر اس میں کیڑے نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ طرز عمل درست نہیں۔ ہمیشہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ مناسب نہیں تو مناسب کیا ہے؟ ایک تجویز کی جگہ دوسری تجویز رکھیے۔ اس کے بعد دیکھیے کہ کم سے کم شر یا زیادہ سے زیادہ خیر کس میں ہے۔ بس وہی اختیار کر لیجیے اور "خیر بے شر" کا خیال چھوڑ دیجیے۔ قانونی دنیا میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ آج ہم جسے خیر غالب یا شر مغلوب سمجھ کر اختیار کرلیں اس کا ہمیشہ خیر غالب یا شر مغلوب رہنا ضروری نہیں۔ یہ عین ممکن ..... بلکہ کچھ ضروری سا..... ہے کہ آج ہم جس چیز کو اختیار کر رہے ہیں وہ کل قابل ترک ہو جائے۔ یعنی خیر مغلوب اور شر غالب ہو جائے۔ ایسی صورت میں اہل فکر حضرات کا فرض ہے کہ وہ سابق تجویز پر نظر ثانی کریں اور اس میں مناسب تبدیلی کریں۔ اسی کا نام ہے اجتہاد، اور اس سے کسی دور میں بھی مفر نہیں۔

ایک راہب اور بایزید بسطامیؒ کے مابین ایک حیرت انگیز مکالمہ

مولانا محمد ریاض انور گجراتی

تہجد کی نماز کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وہ مراقبے میں مصروف ہو گئے، مراقبے میں الہام ہوا کہ کل صبح یہود کا لباس پہن کر دیر سمعان پہنچ جائیں۔ کیونکہ وہاں یہودیوں کے چھوٹے بڑے علماء، راہبین وغیرہ سب جمع ہو رہے ہیں وہاں وہ اپنے رسم و رواج کے مطابق عید منائیں گے اور وہاں ایک عظیم الشان کام بھی ہونے والا ہے، یہ سعادت منداس الہام سے گھبرائے کہ یہ کیسا الہام ہے کہ میں یہودیوں کا لباس زیب تن کر کے ان کے تہوار میں شریک ہوں، بالآخر جب متواتر اس قسم کا الہام ہونے لگا تو انہوں نے دیر سمعان جانے کا ارادہ کرلیا۔

چنانچہ جنہیں مراقبے کے دوران متعدد بار الہام ہوا یہ کوئی معمولی انسان نہیں تھے بلکہ اپنے دور کے بہت بڑے ولی خواجہ بایزید بسطامیؒ تھے، حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسرے دن ان کا لباس پہنا اور بھیس بدل کر ان کے مجمعے میں پہنچ گیا، تمام چھوٹے بڑے یہودی وہاں کھڑے ہیں ان کا بہت بڑا راہب جو اس زمانے میں اپنے تمام اہل علم سے ممتاز تھا وہ ایک اونچی بلند جگہ پر کھڑا ہے تقریر کرنے کے لئے مگر جب اللہ والے بایزید بسطامیؒ ان کے درمیان پہنچے تو وہ راہب خاموش ہو گیا، اس کی زبان پر خاموشی چھا گئی، وہ مبہوت و ساکت ہو کر گم صم ہو گیا، جب اس کے پیروکاروں نے اس کی حالت دیکھی تو بڑے حیران ہو کر کہنے لگے کہ اے راہب تو بڑا شعلہ نوا مقرر تھا، آج ہم بڑے شوق سے تجھے سننے کے لئے جمع ہوئے تھے، کیا ہو گیا کہ آج تو بالکل خاموش ہو کر کھڑا ہو گیا، آج تیری حالت جو نظر آ رہی ہے یہ پہلے تو ایسی نہیں تھی، مجمع میں شور برپا ہو گیا کہ کیا وجہ ہے تمام لوگ اس کی خاموشی پر حیران ہو کر اس کے خاموش رہنے کی وجہ پوچھنے لگے!

بالآخر راہب نے اپنی قوم کا سوال سن کر مختصر جواب دیا کہ اے میری قوم تم میں ایک محمدی داخل ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ سے میری زبان قاصر و عاجز ہے، وہ ہمارا ممتحن بن کر آیا ہے، جب راہب یہ بات کہہ کر خاموش ہوا تو اس کی قوم اپنے راہب کو تسلی دینے لگی آپ فکر نہ کریں ہم اس

وں کو قتل کر دیں گے، راہب اپنی قوم کی بات سن کر کہنے لگا کسی کو قتل کرنا اچھا نہیں بلکہ لیں،
نون کے ہاں ہم اس کے سامنے چند سوالات رکھتے ہیں اگر وہ صحیح جواب دے دے تو ہم اسے
چھوڑ دیں گے ورنہ ہم اس کو قتل کر دیں گے، اس نے مزید یہ بھی کہا کہ قانون بھی یہی ہے کہ
ان کے وقت آدمی کی عزت ہوتی ہے کامیابی کی صورت میں اور رسوائی ہوتی ہے ناکامی کی
صورت میں، اس راہب کی قوم نے اپنے قائد کی تجویز کو پسند کیا اور کہنے لگے ہاں آپ اس محمدی
سے سوالات کریں اگر وہ مناسب جواب دے دیں اس کے بعد آپ جو حکم دیں گے ہم اس کو مانا
سوات تسلیم کریں گے کیونکہ ہم تو فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے یہاں جمع ہوئے ہیں۔

جب راہب کے ماننے والوں کی بات سے اس راہب کو تسلی ہوئی تو راہب نے بلند آواز
میں کہا کہ محمدی کھڑے ہو جایئے اور ساتھ ہی سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کا واسطہ بھی دیا کہ تجھے
تیرے پیغمبر محمد عربی کی عزت کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ کھڑے ہو کر ہمارے سوالات کا سامنا کرو۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ اب تو میرے نبی کی
عزت کا مسئلہ ہے، میں ضرور کھڑے ہو کر اس راہب کے سوالوں کا منہ توڑ جواب دونگا چنانچہ
آپ اللہ کی رحمت کے سہارے اس کی پاکیزہ حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے کھڑے ہو گئے، تمام
راہبوں کا اجتماع بڑی حیرانگی کے ساتھ آپ کی طرف نظریں جما کر دیکھنے لگا کہ اس محمدی کو کیسے
جرات ہوئی ہمارے مجمعے میں آنے کی اور یہ اب ہمارے سردار راہب کے سامنے کس طرح
جواب دے گا کیونکہ انہیں اپنے راہب کے علم پر بڑا ناز و مان تھا جب خواجہ بایزید بسطامی کھڑے
ہوئے تو راہب نے کہا کہ میں آپ کے ساتھ مکالمہ کرنا چاہتا ہوں اگر آپ میرے اعتراضات
اور سوالات کے معقول جواب دے دیں تو میں اپنی پوری قوم سمیت آپ کی اتباع کروں گا اور اگر
میرے سوالات کا جواب نہ دے سکے تو پوری قوم کے ساتھ یہاں ہی دیر سمعان میں تجھے ذبح کر
دوں گا۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ راہب کی باتوں و اس مجمع کی طرف متوجہ ہوئے اور ساتھ ہی
اس سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں تمہاری باتوں کا معقول جواب دے دوں تو کیا تم
سب ساتھ اور میرے رسول پر ایمان لے آؤ گے، تمام بولے ہاں ہم ضرور ایمان لے آئیں

گے، حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے اپنی پاک نظروں کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے کہا
اے اللہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر تو گواہ رہ پھر خواجہ بایزید بسطامی نے فرمایا کیا ...
فرماؤ کیا کہنا چاہتے ہو، یہودی راہب نے مکالمہ شرع کر دیا چنانچہ عربی کی مشہور کتاب
الروض الفائق فی المواعظ و الرقائق میں یہ مکالمہ درج ہے جو مکالمہ کی
صورت میں ہم اسے تحریر کر رہے ہیں۔

راہب! آپ مجھے بتائیں وہ ایک کیا ہے جس کا دوسرا کوئی نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ اللہ ایک ہے وحدہ لاشریک ہے اس کا دوسرا کوئی ہمسر نہیں۔

راہب! وہ دو کیا ہیں جس کا تیسرا کوئی نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ رات اور دن ہیں جس کا تیسرا کوئی نہیں چنانچہ رب کریم اپنی پاکیزہ کتاب میں ارشاد فرماتے ہیں **وجعلنا اللیل والنھار** ''ہم نے رات اور دن دو نشانیاں بنایا ہے''۔

راہب! وہ تین چیزیں کیا ہیں جن کا چوتھا کوئی نہیں ہے؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ تین چیزیں یہ ہیں عرش، کرسی، قلم

راہب! اے محمدی ہمیں بتائیں کہ وہ چار چیزیں کیا ہیں جس کا پانچواں کوئی نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ چار چیزیں یہ ہیں تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک۔ آسمانی کتابیں چار ہیں پانچ نہیں۔

راہب! وہ پانچ کیا ہیں جن کا چھٹا کوئی نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ پانچ نماز فرض ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں پر فرض کی ہیں، نمازیں پانچ فرض ہیں چھ نہیں ہیں۔

راہب! وہ چھ کیا ہیں جو کہ سات نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ چھ دن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا چنانچہ ارشاد باری ہے **ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام**۔ ''ہم نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے''۔

راہب! ہم آپ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ سات چیزیں کیا ہیں جن کا آٹھواں کوئی نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ سات آسمان ہیں، چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے **الذی خلق سبع سمٰوٰت طباقا** ''وہی تو ہے جس نے بنائے سات آسمان اوپر تلے'' آسمان سات ہیں آٹھ نہیں''۔

راہب! ایسی آٹھ چیزیں کیا ہیں جن کی نویں نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! حاملین عرش کی تعداد آٹھ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **ویحمل عرش ربك فوقهم یومئذ ثمانية** ''اور اٹھائے ہوں گے آپ کے رب کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے''۔

راہب! وہ نو کیا ہیں جن کا دسواں نہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ نو بدمعاش تھے جو حضرت صالح علیہ السلام کے زمانے میں شہر میں رہتے تھے چنانچہ ارشاد ربانی ہے **وکان فی المدینة تسعة رهط یفسدون فی الارض ولا یصلحون** ''اور اس شہر میں نو شخص تھے جو کہ ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے''۔

راہب! عشرہ کاملہ سے کیا مراد ہے؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! جو شخص حج تمتع کرے اور وہ قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو، اس کو دس روزے رکھنے چاہییں، ان روزوں کے دس دن سے عشرہ کاملہ مراد ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے **فالصیام ثلثة ایام فی الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة کاملة** ''تین روزے حج کے دنوں میں اور سات گھر پہنچ کر اس طرح پورے دس روزے رکھ لے''۔

راہب! گیارہ بارہ اور تیرہ کیا ہیں؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! گیارہ برادران یوسف ہیں، بارہ سال کے مہینے ہوتے ہیں، چنانچہ قرآن پاک میں آیا ہے **ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله** ۔ ''بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں، اللہ کے حکم میں'' اور تیرہ وہ چیزیں ہیں

جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا چنانچہ لاریب کتاب میں ارشاد ہے یا ابت
انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتھم لی
سجدین۔ "حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابا جان میں نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ
ستارے ایک سورج اور ایک چاند مجھے سجدہ کر رہا ہے"۔

راہب! وہ کونسی قوم ہے جس نے جھوٹ بولا، وہ جنت میں چلی گئی اور وہ کون سی قوم ہے
جس نے سچ بولا اور وہ جہنم میں پہنچ گئی؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! وہ قوم جس نے جھوٹ بولا تھا اور وہ جنت میں چلی گئی حضرت
یوسف علیہ السلام کے بھائی تھے یآ ابانا انا ذھبنا نستبق وترکنا یوسف عند
متاعنا فاکله الذنب۔ "ابا جان ہم دوڑنے لگے آگے نکلنے کو اور یوسف کو اپنے سامان
کے پاس چھوڑا، اسے بھیڑیا کھا گیا، یہ بات انہوں نے اپنے باپ کے سامنے جھوٹی بیان کی تھی
لیکن پھر بھی وہ جنت میں چلے گئے کیونکہ انہوں نے جھوٹ بول کر توبہ کر لی باقی رہ گئی وہ قوم کہ
باوجود سچ بولنے کے جہنم میں داخل ہو گئی وہ یہود و نصاریٰ ہیں وقالت الیهود لیست
النصاریٰ علی شئی وقالت النصاریٰ لیست الیهود علی شئی
"یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی راہ پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی راہ پر نہیں، دونوں
سچ کہتے ہیں"، لیکن دونوں جہنمی ہیں اور ابدی جہنمی ہیں کیونکہ یہ دونوں بدنصیب رحمت کائنات کی
پاکیزہ نبوت پر ایمان لانے کے منکر ہیں۔

راہب! بتاؤ تمہارے تمام جسم میں سے تیرے نام کا مستقر کہاں ہے؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! اس کا مستقر تیرے دونوں کان ہیں فمستقرہ اذناک

راہب! والذٰریات ذروا فالحاملٰت وقرا فالجاریات یسرا
فالمقسمات امرا۔ ان آیتوں کی تفصیل بتاؤ؟

حضرت بایزید بسطامیؒ! ذٰریات سے مراد ہوائیں، حاملٰت سے پانی کے بھرے ہوئے
بادل، جاریات سے دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں اور مقسمات امرا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو
ایک نصف شعبان سے اگلے نصف شعبان تک مخلوق کی روزی تقسیم کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر منیر احمد ارشد (بہاماز)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

دو ڈھائی سال گزرے گرمیوں کی ایک سہ پہر کو منصورہ کی جامع مسجد میں نماز عصر کے بعد میں نے ایک باریش، دراز قد، صحت مند سیاہ فام شخص کو دیکھا، جس کے لباس نے خصوصاً میری توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا، وہ غیر ملکی ہونے کے باوجود پاجامہ اور کرتا زیب تن کئے ہوئے تھا، تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ موصوف بہاماز (Bahamas) سے آئے ہیں اور نو مسلم ڈاکٹر ہیں۔ چنانچہ میں نے ان سے تفصیلی ملاقات کا وقت لیا اور ان کی خواہش پر ایک سوالنامہ ان کے حوالے کر دیا، جس کے تفصیلی جوابات انہوں نے اپنے قلم سے تحریر کر دیئے۔ اسی تحریر کو اردو میں منتقل کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، یاد رہے کہ بہاماز بحر اوقیانوس میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے جنوبی ساحلوں کے قریب ایک چھوٹی سی خود مختار ریاست ہے۔ جس کی اکثریت سیاہ فام آبادی پر مشتمل ہے۔ متذکرہ سوالنامہ اور اس کے جواب ذیل میں ترتیب وار ملاحظہ کیجئے۔

سوالات

1- میرے دینی بھائی براہ کرم اپنا پورا مفصل تعارف رقم فرما دیجئے آپ کہاں اور کس خاندان میں پیدا ہوئے؟ پرانا اور نیا نام کیا ہے اور تعلیم اور ملازمت کے مراحل کہاں طے کئے تھا؟

2- سب سے پہلے آپ اسلام سے کب متعارف ہوئے؟ اس ضمن میں آپ نے مثال کے طور پر کون کون سی کتابوں کے مطالعہ کیا اور آخر کار کیسے اسلام قبول کیا؟

3- قبول اسلام کے بعد آپ نے اپنے اندر کس نوعیت کی تبدیلیاں محسوس کیں؟

4- قبول اسلام کے بعد آپ کے والدین حلقہ احباب، خاندان اور اہلیہ کا ردعمل کیا تھا؟

5- بہاماز کی عام معاشرتی حالت کیسی ہے؟ براہ کرم وہاں کی معاشرتی اور اخلاقی صورت حال پر کچھ روشنی ڈالئے آپ نے اپنی گفتگو میں بتایا ہے کہ بہاماز میں آزاد معاشرت (فری سیکس

سوسائٹی) پروان چڑھ رہی ہے، اس حوالے سے وہاں کی عورتوں کے بارے میں ضروری معلومات تحریر فرمائیے۔

6- جب آپ کے ملک میں سارے کا سارا معاشرہ ہر نوع کی پابندی کے بغیر "عیش" کر رہا ہے تو کیا آپ کے ذہن میں نہیں آتا کہ اسلام قبول کر کے آپ کتنی "مسرتوں" سے محروم ہو گئے ہیں؟

7- بہاماز میں مسلمان کتنے ہیں اور وہ کس حال میں زندگی گزار رہے ہیں؟ کفر و عصیان کی غلاظت سے وہ اپنا دامن کس طرح بچاتے ہیں؟

8- ذاتی واجتماعی تربیت کے لئے آپ کیا ذرائع استعمال کرتے ہیں اور کون سی کتابوں سے استفادہ کرتے ہیں؟

9- پاکستان آ کر آپ نے کیسا محسوس کیا؟ یہاں کی عام معاشرتی صورت حال کے بارے میں آپ کا تبصرہ کیا ہے؟

جوابات

1- میرا نام ڈاکٹر منیر احمد راشد ہے میں 28 ستمبر 1943ء کو بہاماز کے صدر مقام نساؤ (Nassau) میں پیدا ہوا، میرا پیدائشی نام ویوان فرانس رسل تھا۔ والد کا ایرک رسل ہے جب کہ والدہ رتھ رسل کے نام سے موسوم ہیں دونوں کیتھولک عیسائی ہیں، یہ گھرانا پانچ بیٹوں اور دو بیٹیوں پر مشتمل ہے لڑکوں میں میرا تیسرا نمبر ہے اللہ کے فضل سے ہم دو بھائی اسلام کی نعمت سے بہرور ہو گئے ہیں جبکہ باقی سب لوگ بدستور عیسائی ہیں۔

میں نے پرائمری تعلیم سینٹ جوزف کیتھولک سکول نساؤ سے حاصل کی میٹرک سینٹ آگسٹن سیکنڈری سکول سے پاس کیا جبکہ اپنی سیکنڈری تعلیم (سینئر کیمبرج سٹوفکیٹ) دسمبر 1960ء میں کیمبرج یونیورسٹی انگلینڈ سے حاصل کی۔ ستمبر 1961ء میں میں نے لوزیانہ (امریکہ کی کیتھولک یونیورسٹی) میں داخلہ لیا اور وہاں چار سال تک تعلیم حاصل کر کے مئی 1965ء میں سائنس کی بیچلر ڈگری حاصل کی، بہاماز واپس آ کر نساؤ کے ایک کیتھولک ہائی سکول میں بیالوجی، کیمسٹری اور ہیلتھ سائنس کی تعلیم دینے لگا، 1966ء میں میں نے ہاورڈ یونیورسٹی

(واشنگٹن ڈی سی) میں داخلہ لے لیا، طفیلی پودوں اور کیڑوں کے شعبے (Parasitology)
میں تحقیق کا کام کرنے لگا 1967ء میں میں اسی یونیورسٹی کے شعبہ دندان سازی میں تعلیم حاصل
کرنے لگا اور جون 1971ء میں مجھے ڈاکٹر آف ڈینٹل سرجری کی ڈگری مل گئی 1974ء تک
میں نے منہ، جبڑے اور چہرے کی سرجری میں بھی تخصص (Speacialization) حاصل
کیا۔

2- میں 1968ء میں سب سے پہلے اسلام سے متعارف ہوا، ہارورڈ یونیورسٹی میں مشہور
باکسر محمد علی آئے اور طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اسلام کی بنیادی خصوصیات بیان
کیں، جس سے میں بہت متاثر ہوا ان دنوں محمد علی علیجاہ محمد کی تحریک "نیشن آف اسلام" سے
وابستہ تھے چنانچہ میں نے اس تحریک کے جرائد اور کتب کا مطالعہ شروع کر دیا اور یہ دیکھ کر مجھے
خوشگوار حیرت ہوئی کہ اس تحریک کے نتیجے میں بے شمار سیاہ فام لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب
آ گیا ہے، انہوں نے جرائم اور شراب نوشی کو ترک کر کے پاکیزہ زندگی اپنا لی ہے اور محنت اور
دیانت کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ امریکہ میں سیاہ فام مردوں اور عورتوں کی حالت زار پر میں یوں بھی
کڑھتا تھا چنانچہ اس تحریک کی صورت میں مجھے اندھیروں میں روشنی کی ایک کرن دکھائی دی اور
میں نے جولائی 1971ء میں اسلام کو اسی صورت میں قبول کر لیا جس صورت میں علیجاہ محمد اس کی
تعبیر اور تبلیغ کرتے تھے اس سے ایک ہی ماہ پہلے مجھے ڈاکٹر آف ڈینٹل سرجری کی ڈگری ملی تھی۔
1972ء میں میری اہلیہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مطالعے کے دوران مجھے مولانا مودودیؒ کی کتاب "ٹوواردز انڈر
سٹینڈنگ اسلام" (دینیات کا انگریزی ترجمہ) مل گئی جس سے اندازہ ہوا کہ اسلام کے بارے
میں علی جاہ محمد کے خیالات قرآن وسنت سے خاصے مختلف ہیں اس کے بعد میں نے مولانا
مودودیؒ ہی کی "فنڈامنٹلزم آف اسلام" اور "اسلامک وے آف لائف" کا مطالعہ کیا اور اسلام
کی تعلیمات روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آ گئیں۔ اس ضمن میں بہاماز ہی کے ایک
راست فکر نومسلم خلیل خلفانی سے بھی میری ملاقات ہوئی میں نے علیجاہ محمد کی تحریک "نیشن آف
اسلام" سے اپنا تعلق ختم کر لیا اور 1974ء میں جب تعلیم سے مکمل فراغت حاصل کر کے واپس

بہاماز آ گیا تو ہم نے ''جماعت الاسلام'' کی تشکیل کی جس میں وہ مسلمان شامل تھے جو قرآن
سنت کے مطابق صحیح اور بے میل عقائد کے مالک تھے، اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت تک میرا
ے چھوٹا بھائی حنیف عبداللہ شاہد بھی مسلمان ہوگیا اور اس کا ایک گہرا دوست اور کلاس فیلو
یوسف عبداللہ بھی اسلام کی مقدس و مبارک چھتری تلے آ گیا، اس تنظیم کو قائم کرنے کا واحد مقصد
یہ تھا کہ راست فکر مسلمان باہم متحد ہو کر خود بھی قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں اور
غیر مسلموں تک بھی دین حنیف کی صحیح تعلیمات پہنچانے کی تگ ودو کریں۔

3- اسلام قبول کرنے سے پہلے میں شراب پیتا تھا، رقص کی مخلوط پارٹیوں میں شریک ہوتا تھا
اور جیسا کہ یورپین معاشرت کا مزاج ہے، اپنا فارغ وقت عورت کی قربت میں گزارتا اور عیش کرتا
تھا معاشرت کے اعتبار سے بہاماز کا ماحول بھی یورپ کا ہو بہو چربہ ہے اور یہاں کا ہر فرد شراب،
عورت اور لحم خنزیر کا والا وشیدا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اسلام قبول کرتے ہی میں ان ساری خرافات
سے دور ہو گیا اور اپنی روزمرہ زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے میں لگ گیا۔ یہ امر
قابل ذکر ہے کہ عقائد کی کمزوریوں اور خامیوں سے قطع نظر علیجاہ محمد کی تحریک ''نیشن آف اسلام''
نے بھی ان گنت لوگوں کو مختلف اخلاقی قباحتوں سے بچالیا تھا، جن میں سے ایک میں بھی تھا اسلام
کی صحیح تعلیمات کے ادراک نے ان برائیوں سے نفرت میں مزید اضافہ کر دیا، خدا کا شکر ہے کہ
دور جاہلیت کی زندگی کو میں نے کبھی یاد نہیں کیا اس پر ندامت تو ضرور ہوتی ہے مگر یہ میرے لئے
حسرت نہیں بنی۔

4- عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کرنے پر میرے والدین خوش نہ تھے تاہم جب
انہوں نے دیکھا کہ میری زندگی نے ایک نئی کروٹ لی ہے اور معمولات میں نیکی، پاکیزگی اور
سلجھاؤ پیدا ہوا ہے تو ان کا رویہ خوشگوار ہو گیا۔ اب وہ اچھی طرح جان گئے ہیں کہ اسلام ایک سچا
اور اچھا مذہب ہے مگر وہ عیسائیت کو چھوڑتے ہوئے سخت ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں مجھے یقین
ہے انشاءاللہ ایک دن آئے گا کہ وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔

5- جہاں تک بہاماز کی معاشرت کا تعلق ہے وہ اخلاقی اعتبار سے مکمل زوال کی زد میں ہے
یقین کیجئے کہ وہاں قانون کا ذرا بھی احترام نہیں، جرائم کا تناسب تیزی سے بڑھ رہا ہے، شراب

ہیروئن اور منشیات کا استعمال عام ہے، اخلاقی قدریں معدوم ہیں اور خاندانی زندگی تباہ و برباد ہو چکی ہے۔ حکومت اس صورت حال پر قابو پانے میں اس لئے ناکام ہے کہ اعلیٰ افسران کی اکثریت خود ان ہی خرابیوں میں ملوث ہے اور عوام کے اندر ان کا کوئی اخلاقی وقار برقرار نہیں رہا۔ چرچ بھی ان خرابیوں کے سامنے بے بس ہے کہ پادریوں کی اس نوعیت کی تبلیغ کے نتیجے ہی میں آخر کار یہ صورت سامنے آئی ہے کہ حضرت مسیح ان کے گناہوں کے بدلے سولی پر چڑھائے گئے تھے اور اگر لوگ ان کے عقیدت مند بن جائیں، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے رہیں تو ان کی نجات ہی نجات ہے خواہ اعمال کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں اس طرح عامۃ الناس کا عقیدہ بن گیا ہے کہ چونکہ وہ مذہب عیسوی کے پیروکار ہیں اس لئے ان کی نجات یقینی ہے اور انہیں اپنے دنیوی اعمال کو درست کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے چنانچہ ہر قسم کی اخلاقی قیود سے آزادی کا نتیجہ ہے کہ بہاماز امریکہ اور یورپ کی طرح خطرناک قسم کی جنسی بے راہروی کے طوفان میں غرق ہو گیا ہے۔ بارہ بارہ، تیرہ تیرہ سال کی لڑکیاں جنسی تجربہ حاصل کر لیتی ہیں بلکہ ان میں سے بہت سی حاملہ ہو جاتی ہیں اور ایک اور مصیبت میں پھنس جاتی ہیں یعنی ملکی قانون کے مطابق جب تک ان کی عمر اٹھارہ سال نہ ہو جائے ان کی شادی نہیں ہو سکتی چنانچہ انہیں لامحالہ سکول کی تعلیم ترک کرنی پڑتی ہے اور اگر لڑکی کے والدین اس کے بچے کی پرورش کا ذمہ لیں تو اس کی تعلیم جاری رہتی ہے ورنہ وہ کوئی ملازمت تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں جو تعلیم کی تکمیل کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ نتیجتاً یہ لڑکیاں نہ صرف اپنی ذات میں مایوسی اور خوف کی علامت بن جاتی ہیں بلکہ پورے معاشرے کے لئے خطرناک ناسور کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں اور ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے، حرامی بچے پورے ملک کے لئے مسئلہ بن گئے ہیں اور کسی نوعیت کے اخلاقی نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے خصوصاً یہ بچے جوں جوں بڑے ہو رہے ہیں، سب کے لئے مصیبت بنتے جا رہے ہیں، سچی بات یہ ہے کہ امریکہ میں چلنے والی آزادی نسواں کی تحریک اور ہمہ نوع اباحیت نے بہاماز کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

7- بہاماز چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ایک ننھی سی ریاست ہے، جس کی آبادی تقریباً ڈھائی لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، اس میں مسلمانوں کی تعداد ایک سو سے کچھ ہی زیادہ ہوگی، ان میں

اکثریت نومسلموں کی ہے، باقی کا تعلق پاکستان، بنگلہ دیش، مراکش، مصر، سری لنکا اور ... سے ہے جو تربیت یافتہ ٹیکنیشن ہیں اور مختلف محکموں میں ملازمت کرتے ہیں۔

جماعت السلام کے ارکان کی کل تعداد 35 ہے جن میں 15 مرد 7 خواتین (جو مختلف ارکان کی بیگمات ہیں) اور 13 بچے شامل ہیں۔ ہم نے اجتماعی دینی مطالعہ کے لئے سٹڈی سرکل رکھے ہیں، مثال کے طور پر ہر روز نماز فجر کے بعد قرآن کی اجتماعی تلاوت ہوتی ہے ہر منگل کو مغرب کے بعد مرد حضرات کی دینی تربیت کے لئے سٹڈی سرکل ہوتا ہے بدھ اور جمعہ کو مغرب کے بعد اسلامی لٹریچر کے حوالے سے گروپ کی صورت میں گفتگوئیں اور مذاکرے (گروپ ڈسکشن) ہوتے ہیں اسلامی لٹریچر میں یہ کتابیں شامل ہیں مولانا مودودیؒ کی ''تو وارڈز انڈرسٹینڈنگ اسلام'' سید قطب کی ''مائیل سٹون'' ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ''اسلام ان فوکس'' اور مولانا مودودیؒ ہی کی ''اسلامک وے آف لائف''۔ ان پروگراموں میں بعض حضرات اپنی بیگمات کو بھی لے آتے ہیں۔ وہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر گفتگو میں حصہ لیتی ہیں اور اس معاملے میں ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ہفتے کو صبح دس بجے سے دوپہر تک کا وقت بچوں کی دینی تعلیمات اور تربیت کے لئے مخصوص ہے اتوار کی صبح کو نماز فجر کے بعد سارے بھائی پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر باری باری اظہار خیال کرتے ہیں نیز ان مسائل پر بھی گفتگو ہوتی ہے جو ایک غیر مسلم سوسائٹی میں مسلمانوں کو درپیش ہیں۔ اتوار ہی کو نماز ظہر کے بعد خواتین کا اجتماع ہوتا ہے ہر مہینے ایک مرتبہ بہاماز بھر کے تمام مسلمانوں کی ایک جنرل میٹنگ بلائی جاتی ہے جس میں سب لوگوں کو جماعت کی رفتار کار اور دیگر مسائل سے آگاہ کیا جاتا ہے اجتماعی کھانا اس میٹنگ کا ضروری حصہ ہے، اس کے علاوہ گاہے گاہے رات بھر کا پروگرام بھی رکھا جاتا ہے جو ''جماعت السلام'' کے مرکز میں منعقد ہوتا ہے اور جہاں لوگ اکٹھے کھاتے اور دعوت و تربیت کے مختلف طریقوں پر تبادلہ خیال کرتے ہیں، ہم نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق ایک ایک فرد کے پاس جا کر انفرادی تبلیغ کا اہتمام بھی کرتے ہیں، سال میں دو مرتبہ یعنی دسمبر اور جون میں ایک ایک ہفتے کا تربیتی کیمپ بھی منعقد ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ ہم مقامی اخبارات میں اسلام کے بارے

ہیں معلوماتی مضامین بھی چھپواتے رہتے ہیں۔

جہاں تک لٹریچر کا تعلق ہے، ہمارے پاس مولانا مودودیؒ کی بہت سی انگریزی کتب موجود ہیں مختلف دینی اداروں مثلاً رابطہ عالم اسلامی، افسو، وامی نے بھی ہمیں مطلوبہ کتابوں کے تحائف بھیجے ہیں اور انفرادی طور پر بھی اہل خیر ہماری مدد کرتے رہتے ہیں ہماری سب سے بڑی ضرورت ایسے تربیت یافتہ باعمل کارکنان کی ہے جو ہماری تربیت بھی کریں اور اپنے عمل و کردار سے اس غیر اسلامی معاشرے میں اسلام کی جیتی جاگتی مثال بھی قائم کریں، اس سلسلے میں اگر پاکستان سے کوئی صاحب ہماری امداد فرمائیں تو ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔

9- پاکستان کے بارے میں میرا تاثر یہ تھا کہ یہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والا عظیم اسلامی ملک ہے جہاں ہر طرف اسلام کے عملی نمونے دیکھنے کو ملیں گے مگر افسوس کہ جب میں کراچی پہنچا اور اس شہر کی معاشرت کو ایک نظر دیکھا تو میری خوش فہمی کی عمارت دھڑام سے گر گئی مجھے کراچی کے ماحول میں اسلامی کردار کا کوئی رخ نظر نہیں آیا وہی مغربیت کا چلن، وہی مادہ پرستی کی روش اور اخلاقی قدروں سے پہلوتہی، ایئرپورٹ پر ٹیکسی ڈرائیوروں اور قلیوں کا طرز عمل بڑا منفی تھا اور اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو یہ منظر مجھے اسلام سے بدظن کرنے کے لئے کافی تھا.... مگر خدا کا شکر ہے کہ لاہور کی اس بستی منصورہ میں پہنچ کر میرا وہ منفی تاثر جو کراچی میں بنا تھا، زائل ہو گیا اور میں نے یہاں اسلامی اخوت، بھائی چارے اور اخلاص کا وہ مشاہدہ اور تجربہ حاصل کیا جو کبھی فراموش نہیں کر سکوں گا خدا کرے یہ جذبہ اس بستی میں ہمیشہ جاری و ساری رہے حقیقت یہ ہے کہ اہل منصورہ کی طرف سے مجھے جو محبت ملی ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گی۔

اسرار خودی

(علامہ اقبال کے فارسی کلام کا اردو ترجمہ)

مراسلہ۔ رحمت اللہ شاہ

اقبال نے اپنی مثنوی کا آغاز مولانا جلال الدین رومیؒ کے ان اشعار سے کیا ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ کل شیخ چراغ لے کر شہر میں گھوم رہا تھا (اور کہتا تھا) کہ میں درندوں اور چوپایوں سے نالاں ہوں اور انسان دیکھنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ ان نکمے ساتھیوں سے بیزار ہو چکا ہوں اور ایسے لوگوں کی تلاش میں ہوں جو شیر خدا ہوں اور رستم کی سی قوت رکھتے ہوں (مراد یہ کہ روحانی و بدنی دونوں قوتیں رکھتے ہوں)۔ میں نے کہا ایسے لوگ نہیں ملتے ہم بہت ڈھونڈ چکے ہیں۔ اس نے کہا جو نہیں ملتا، میں اسی کی تلاش میں ہوں۔

پہلا شعر مشہور فارسی شاعر نظیر نیشاپوری کا ہے، شعر کا مفہوم ہے کہ میرے جنگل کے خشک و تر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو بیکار ہو (بلکہ سبھی کی سبھی کارآمد ہیں) جس درخت کی لکڑی منبر نہیں بن سکتی ہو میں اس سے سولی بنا دیتا ہوں۔ مثنوی کی باقاعدہ ابتداء کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں۔ جب دنیا کو روشن کرنے والے سورج نے رات کو ختم کر دیا، تو میرے آنسوؤں نے پھول کے چہرے پر پانی چھڑکا، میرے آنسوؤں نے نرگس کی آنکھ سے نیند کا اثر دھویا اور میرے شور سے سبزہ بیدار ہو کر زمین سے نکل آیا۔ باغبان (فطرت) نے میرے کلام کی شدت کو آزمایا، مصرع بویا اور شمشیر کاٹی (یعنی مصرع بویا تو وہ بڑھ کر شمشیر بن گیا) اس نے باغ میں میرے آنسوؤں کے دانے کے علاوہ اور کچھ نہ بویا، اس نے میری آہ وفغاں کے تار کو باغ کے پودے ملا کر۔ اگرچہ میں ایک ذرہ ہوں لیکن سورج کی تمام روشنی میرے ایک لحظہ کے برابر ہے۔ میرے گریبان میں سینکڑوں صبحیں چھپی ہوئی ہیں۔ میری خاک جمشید کے جام سے زیادہ روشن ہے میں ان واقعات سے بھی باخبر ہوں جو ابھی دنیا میں وقوع پذیر نہیں ہوئے۔ میری فکر رسا نے غزال اپنے شکار بند میں باندھ لئے ہیں جو ابھی تک عدم سے وجود میں نہیں آئے۔ جو سبزہ ابھی تک پیدا نہیں ہوا وہ میرے گلشن کی زینت ہے۔ وہ پھول جو ابھی شاخ سے نہیں پھوٹے

میرے دامن میں ہیں۔ میں عیش وطرب کی محفل برہم کرنے والا ہوں۔ میں رگ عالم کے تار کو مضراب سے چھیڑتا ہوں، کیونکہ میری فطرت کے ساز سے نادر نغمے پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لیے میری پاس بیٹھنے والا میرے نغمہ سے ناآشنا ہے۔ میں دنیا میں ایک نیا طلوع ہونے والا سورج ہوں، میں نے ابھی آسمان کے طور طریقے نہیں دیکھے۔ ابھی تک ستارے میری روشنی سے ماند نہیں پڑے، ابھی تک میرے پارے میں تڑپ پیدا نہیں ہوئی، ابھی تک سمندر میری شعاعوں کے رقص سے بے نصیب ہے۔ ابھی تک پہاڑ نے میرا حنائی رنگ نہیں پایا۔ ابھی تک دنیا کی آنکھ میری خوگر نہیں ہوئی اور میں خود بھی اپنی نمود کے خوف سے لرزہ براندام ہوں۔

اقبال فرماتے ہیں کہ (میرے آفتاب کی) صبح مشرق سے طلوع ہو چکی ہے اور رات کا اندھیرا ختم ہو چکا ہے۔ دنیا کے پھول پر (میرے آنسوؤں کی) نئی شبنم گر چکی ہے۔ میں صبح دم اٹھنے والوں کے انتظار میں ہوں، کیا خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو میرے آتشیں جذبہ کے پرستار ہیں۔ میں ایسا نغمہ ہوں جو مضراب سے بے نیاز ہے۔ میں آنے والے دور کا شاعر ہوں میرا دور اسرار کو نہیں سمجھتا۔ (لہٰذا) میرا یوسف اس بازار کے لائق نہیں۔ میں اپنے قدیم دوستوں سے ناامید ہوں، میرا طور جل رہا ہے (اور اس انتظار میں ہے کہ) کوئی کلیم آئے۔ میرے ساتھیوں کا سمندر بغیر کسی جوش وخروش کے ہے، اس کے برعکس میری شبنم سمندر کی مانند طوفانی ہے۔ میرا نغمہ کسی اور ہی دنیا سے متعلق ہے، اس جرس کے لئے کوئی نیا قافلہ آئے گا۔ بہت سے شاعر ہیں جو مرنے کے بعد زندہ ہوتے ہیں، وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور ہماری آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ وہ عدم سے دوبارہ زندگی کا سامان لاتے ہیں پھول کی مانند اپنے مزار کی مٹی سے اگ آتے ہیں۔ اگرچہ اس صحرا سے کئی قافلے گزرے ہیں، مگر وہ اونٹنی کے قدموں کی مانند بغیر کسی شور وغوغا کے گزرے ہیں۔ میں عاشق ہوں اور فریاد (کرنا) میرا ایمان ہے۔ میری فریاد سے اتنا شور بلند ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں شور قیامت ان پیادوں کے شور کی مانند ہے جو شاہی سواری کے آگے بھاگتے ہیں۔ اگرچہ میرے ساز کے تار میرے نغمے کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن میں اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ ٹوٹ جائیں (یعنی میں اپنا نغمہ ہر حال میں سناؤں گا)۔ قطرہ۔ (کم ہمت

لوگوں) کے لئے میرے (نغمہ کے) سیلاب سے دور رہنا ہی بہتر ہے اور سمندر (...
کو ہی اس کے شور سے دیوانگی حاصل کرنی چاہیے۔ میرا سمندر کسی چھوٹی ندی میں نہیں...
میرے طوفان کو سنبھالنے کے لئے کئی سمندر درکار ہیں۔ وہ غنچہ جو نشوونما پا کر گلشن کی صورت
نہیں کرتا وہ میرے نغمہ کے ابر بہار کے لائق نہیں۔ میری روح میں بجلیاں سوئی ہوئی...
لئے) پہاڑ اور صحرا ہی میری تگ و تاز کے لائق ہیں۔ اگر تو صحرا ہے، تو تو ہی میرے...
مقابل آ اور اگر تو طور سینا ہے تو پھر میری بجلی کو اپنے اندر جذب کر۔

آب حیات میرے نصیب کیا گیا ہے، مجھے راز زندگی کا محرم بنایا گیا ہے۔ میری...
سے ذرہ زندہ ہو گیا ہے اور پر و بال نکال کر جگمگاتا جگنو بن گیا ہے۔ جو راز میں بیان کر...
کسی اور نے بیان نہیں کیا، کسی نے معنی کے موتیوں کو میری فکر کی طرح نہیں پرویا۔ اگر...
جاوداں کا راز معلوم کرنا چاہتا ہے تو میرے پاس آ۔ تو دنیا کا طلبگار ہے یا آخرت کا، ہر...
میرے پاس آ۔ یہ راز مجھے پیر گردوں نے بتائے ہیں (اگرچہ انہیں آشکار نہیں کرنا چاہیے...
انہیں دوستوں سے پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔ اے ساقی! اٹھ اور میرے جام میں وہ شراب
دے جو دل سے زمانے کے سب مصائب کو دور کر دے۔ وہ آتش شراب جس کی اصل...
ہے۔ اس کا طلبگار گدا بھی ہو تو وہ بادشاہ ہے۔ ایسی شراب سوچ کو اور تیز کر دیتی ہے اور...
پہلے ہی بیدار ہو اسے بیدار تر کر دیتی ہے۔ یہ تنکے کو پہاڑ کا سا وقار عطا کرتی ہے اور...
شیروں کی قوت بخشتی ہے۔ خاک کو کہکشاں کا عروج بخش دیتی ہے اور قطرے کو سمندر کی...
اور کشادگی۔ یہ خاموشی کو شور قیامت میں تبدیل کر دیتی ہے اور چکور کے پنجے کو باز کے...
سرخ کر دیتی ہے۔ اٹھ اور میرے جام میں یہ خالص شراب ڈال اور یوں میری فکر کی...
چاندی بکھیر دے۔ تاکہ میں بھٹکے ہوؤں کو منزل کی طرف لے جاؤں اور (شوق) نظارہ...
دوں۔ تاکہ میں ایک نئی جستجو کے راستہ میں سرگرم ہو جاؤں اور اپنے آپ کو نئی آرزوئے...
کراؤں۔ اہل ذوق کی آنکھ کی پتلی بن جاؤں اور دنیا کے کان میں صدا کی طرح گم ہو جاؤں
تاکہ میں متاع (شاعری) میں اپنے آنسو شامل کر کے اس کی قیمت بڑھا دوں اور...

فیض سے اسرار عالم کے سربستہ راز کھول دوں۔ اس (مولانا رومیؒ) کی روح گل شعلوں کی سرمایہ دار ہے جبکہ میری چمک شرر کی مانند لمحہ بھر کے لئے ہے۔ اس کی جلتی ہوئی شمع نے مجھ پروانے پر یلغار کی، (گویا) اسکی شراب نے میرے پیمانے پر شبخون مارا۔ پیر رومی نے میری خاک کو اکسیر بنا دیا اور میرے غبار سے کئی جلوے پیدا کر دیئے۔ میرے ذرے نے بیابان کی خاک سے رخت (سفر) باندھا، تا کہ وہ سورج کی شعاع کو اپنی گرفت میں لے۔

میں موج ہوں اور میں نے رومی کے سمندر کو اپنا مسکن بنایا ہے تا کہ وہاں سے چمکدار موتی حاصل کروں۔ میں جو اس کی شراب سے مستی حاصل کرتا ہوں۔ میری زندگی انہی کے دم سے ہے، رات میرا دل فریاد کناں تھا اور رات کی خاموشی میری ''یارب'' کی آواز سے آباد ہو رہی تھی۔ میں نے غم دوراں کی شکایت کا طوفان اٹھا رکھا تھا اور اپنی بے سروسامانی پر نالاں تھا۔ میری نگاہیں تڑپتے تڑپتے بال و پر کھو بیٹھیں اور میں سو گیا۔ نیک فطرت پیر (رومی) ظاہر ہوئے۔ وہ جنہوں نے فارسی زبان مین قرآن (کی حکمتیں) بیان کی ہیں۔ انہوں نے فرمایا، تو جو اہل عشق کا دیوانہ ہے۔ عشق کی خالص شراب کا ایک گھونٹ پی لے۔ (اور اس سے) اپنے جگر میں قیامت کا ہنگامہ پیدا کر، اس شراب سے سرمست ہو اور اشکوں کو خوناب کر۔ اپنی ہنسی کو سینکڑوں نالوں کا سرمایہ بنا (یعنی اپنی ہنسی کو نالہ وفریاد میں بدل دے)، اپنے خونیں اشکوں میں جگر کے ٹکڑے ملا۔ تو کب تک کلی کی مانند خاموش رہے گا، اپنی خوشبو کو پھول کی مانند عام کر دے۔ تو ہرل کے دانہ کی طرح اپنے اندر ہنگامہ رکھتا ہے، اس لئے اپنے محمل کو (ناقہ) آتش پر باندھ لے اور نالہ خاموش کو اپنے بدن کے ہر بن مو سے جرس کی مانند باہر نکال۔ تو آگ ہے، بزم کائنات کو جگمگا دے اور دوسروں کو بھی اپنے سوز کی تپش عطا کر۔ پیر مغاں کے راز برملا بیان کر، شراب کی موج بن اور مینا کا لباس پہن، خرد کے آئینہ کے لئے پتھر بن اور اسے سر بازار توڑ دے۔ بانسری کی مانند نیستاں کا پیغام سنا (اور) قیس کے لئے لیلیٰ کا پیغام لا۔ نالہ وفریاد کے لئے نیا انداز ایجاد کر اور سرد محفل کو اپنی ہاؤ ہو سے گرما دے۔ اٹھ اور زندہ شخص کو نئی جان عطا کر، اور لفظ قم کہہ کر زندوں میں اور زیادہ زندگی بھر دے۔ اٹھ اور نئے راستے پر قدم رکھ اور اپنے سر سے پرانی روایات کا سودا نکال دے۔

لذت رفتار سے آشنا ہو (پھر کہہ) کہ تو قافلہ کے لئے بانگ درا ہے، اٹھ (اور قافلہ ...
اقبال کہتے ہیں کہ اس آواز نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی (اور) میں ...
بانسری کی مانند ہوں۔ میں اپنے (ساز کے) تار سے نغمے کی مانند اٹھا اور میں نے ...
لئے جنت آراستہ کر دی۔ میں نے خودی کے راز سے پردہ اٹھا دیا اور اس کے اعجاز ...
ظاہر کر دیے۔ میرا وجود ایک ناتمام نقش تھا (یہ) نا قابل قبول، بے قیمت اور ناکارہ (تھا) ...
نے مجھے سان پر چڑھایا تو میں آدمی بنا اور میں نے اس جہان کی اشیاء کا علم پایا۔ میں ...
کے اعصاب کی حرکت دیکھ لی، مجھے چاند کی رگوں میں گردش کرتا ہوا خون نظر آ گیا۔ میں ...
انسان کے غم میں رو رو کر راتیں گزار دیں، تب کہیں جا کر میں زندگی کے رازوں ...
اٹھانے میں کامیاب ہوا۔ میں نے ممکنات کے کارخانہ کے اندر سے زندگی کے ...
(لائحہ عمل) نکال لیا ہے۔ میں جس نے (زندگی کی) رات کو چاند کی طرح خوبصورت ...
میں فقط ملت بیضا کے پاؤں کی خاک ہوں۔ وہ ملت جس کا شہرہ باغ و راغ میں ہے ...
تازہ نغمے دلوں میں حرارت پیدا کرتے ہیں۔ وہ ملت جس نے ذر بویا اور آفتابوں ...
دیئے، جس کے کھلیان میں سینکڑوں رومی و عطار ہیں۔ میں آہ گرم ہوں جو آسمان تک پہنچ ...
اگرچہ میں (آہ کا) دھواں ہوں، لیکن ہوں تو آگ کے خاندان سے۔ میرے قلم نے ...
ہمت سے پردہ (کائنات) کے راز کو صحرا میں ڈال دیا (یعنی سرعام واضح کر دیا) تا کہ قطرہ ...
ہم پلہ ہو جائے اور ذرہ بڑھ کر صحرا بن جائے۔ اس مثنوی کا مقصد محض شاعری کرنا، بت ...
بت پرستی سکھانا نہیں۔ میں ہندی نژاد ہوں اور فارسی میری زبان نہیں، میں نئے چاند کی مانند ...
سے خالی ہوں۔ مجھ سے انداز بیان کی پختگی کی امید نہ رکھ۔ (اس لئے کہ) خوانسار و اصفہان ...
(کے شعراء) جیسی زبان پیش نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ہندی زبان مٹھاس میں شکر ہے، لیکن ...
زبان کا انداز بیان اس سے زیادہ شیریں ہے۔ فارسی زبان کے جلوے نے میری فکر کو ...
اور میرا قلم (اس کی بدولت) نخل طور کی شاخ بن گیا۔ میری فکر کی بلندی کے لحاظ سے فارسی ...
اس کی فطرت سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ اے دانا شخص! میری مینائے کلام پر نکتہ چینی نہ ...
اس مینا کی شراب سے لطف اندوز ہونے کا ذوق پیدا کر۔

اسلامی نظام عدل کا نفاذ و مشکلات اور اُن کا حل

(مولانا سید محمد متین ہاشمی)

مغرب کا نظام عدل کوئی سوڈیڑھ سو برس سے ہمارے ہاں نافذ ہے اور اس سے مانوسیت اتنی بڑھ چکی ہے کہ اسلامی نظام عدل کا ذکر آتے ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس تبدیلی کی ضرورت کیا ہے؟ مغرب کے نظام عدل میں جو خرابیاں دکھائی دے رہی ہیں کیوں نہ بعض عملی اقدامات کے ذریعہ انہیں دور کر دیا جائے؟ اس نقطہ نظر کے پیچھے ایک پیچیدہ نفسیات کارفرما ہے اور اسے سمجھے بغیر مسئلے کے حل کی طرف کوئی قدم اُٹھانا تو درکنار ہم اس مسئلے کی نوعیت تک کو نہیں سمجھ سکتے۔

دُنیا بھر میں انقلاب اور تبدیلی کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ لوگ کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کریں اور ظاہر ہے کہ تبدیلی کی ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب موجود صورت حال میں کسی کمی یا کسی بنیادی خامی کا احساس ہو مغرب کے نظام نے ہمیں سب سے پہلے موجود صورت حال سے مطمئن رہنا سکھایا ہے۔ انسانی نفسیات میں ''قدر اعلیٰ'' کی طرف جو فطری میلان ہوتا ہے یہ نظام اسے تدریجاً اور منظم طور پر مٹاتا ہے اور اس کی سمت کو بدل کر اسے معاشی مسابقت کا رنگ دیتا ہے چنانچہ اگر ہم میں سے کچھ لوگ اس کا احساس بھی رکھتے ہیں کہ اسلام کا نظام عدل ایک بہتر اور ارفع نظام ہے جب بھی یہ خیال ان کے کسی عملی اقدام کی بنیاد نہیں بن سکتا اس لئے کہ عام طور پر ان کا یہ خیال ہے کہ موجودہ نظام اول تو اسلام کے نظامِ عدل سے متصادم نہیں ہے اور اگر کہیں جزوی طور پر تصادم موجود بھی ہے تو اِسے ترامیم کے ذریعہ دور کیا جا سکتا ہے۔ اس فکر کے پیچھے دو مغالطے کام کر رہے ہیں جن میں سے ایک منطقی اور دوسرا علمی ہے۔

منطقی مغالطہ

منطقی مغالطہ یہ ہے کہ اگر کوئی شے کسی دوسری شے سے متصادم نہیں ہے تو وہ اس شے کا بدل بن سکتی ہے حالانکہ کسی شے کا کسی دوسری شے سے متصادم نہ ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ شے ثانی اول کا بدل بھی بن سکتی ہے۔ کیونکہ ایک شے متصادم نہ ہونے کے باوصف ناکافی بھی بن سکتی ہے۔

اس کے بعض پہلوؤں پر غیر ضروری زور ہو سکتا ہے، اہم پہلو نظر انداز ہو سکتے ہیں چنانچہ
نظام عدل ان معنوں میں اسلام کے نظام عدل کا بدل نہیں بن سکتا۔

لیکن ہم اس امر کو اس کے پورے سیاق و سباق میں اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک
اس علمی مغالطے کو نہ سمجھ لیں جو در حقیقت اس پورے فساد کی جڑ ہے۔

علمی مغالطہ

مغرب اور اسلام کے نظامہائے عدل میں فرق جزوی اور ثانوی حقیقت کا نہیں ہے
فرق حتمی، اساس اور فیصلہ کن ہے وہ اس طرح کہ دنیا کے ہر نظام اور ہر ادارے کی بنیاد اس پر
پر ہوتی ہے کہ کسی خاص نظام کے پیچھے کونسا تصور انسان کارفرما ہے۔ اسلام کا تصور انسان تو یہ
ہے کہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے چنانچہ جو چیز بھی انسان میں خلافت الٰہیہ کے عنصر کو منافی
ہے وہ اسے انسان کی تعریف سے بھی خارج کر دیتی ہے چاہے اس کی شکل وصورت اور ہاتھ
پاؤں وہی رہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظام عدل میں شہادت کے سلسلے میں خصوصاً بعض ایسی
بنیادی شرائط رکھی گئی ہیں جن کے بغیر انسانی حقیقت قائم ہی نہیں ہوتی اس کے برعکس مغرب کے
پورے نظام کے پیچھے جو تصور انسان کام کر رہا ہے وہ یونان سے آیا ہے اور جسے ارسطو نے سماجی
حیوان SOCIAL ANIMAL کہہ کر بیان کیا ہے اب ظاہر ہے کہ جو نظام سماجی حیوان اور
اس کی ضرورتوں کے مطابق وضع کیا گیا ہے وہ اپنے اس دائرہ کار میں تو شاید کسی حد تک کفایت
کرے جو اس تصور سے مطابقت رکھتا ہے لیکن ایک ایسے معاشرے میں جہاں انسان کا بنیادی
تصور ہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہے تو تصور اور کچھ نہ سہی تو ناکافی ضرور ہے۔

بنیادی فرق

مغرب میں نظامِ عدل کے پیچھے انسان کی بنیادی تعریف حیاتیاتی ہے یعنی جس مخلوق کو
سائنسی زبان میں انسان قرار دیا جا سکے وہ قانون کیلئے کافی ہے اس کے برعکس اسلام کا تصور
انسان قدری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس میں انسانیت کا قدری پہلو پایا جاتا ہے تو پھر اسے
انسان گنا جائے گا ورنہ قرآن کی اصطلاح میں **اُولٓئِکَ کَالاَنعَام بَل ھُم اَضَل**

(وہ جانوروں کی طرح ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں) کا مصداق ہے۔

یہ ہے وہ بنیادی فرق جو اس سارے مسئلہ کی جڑ ہے۔

اور ایک بات ایسی جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ مسلم معاشرے میں جب تک اسلامی قوانین نافذ رہے قانون کی خلاف ورزی کم سے کم ہوتی تھی اور جب اسی معاشرے میں مغربی قوانین نافذ کئے گئے تو قانون کی خلاف ورزی بہت بڑھ گئی۔ اس کا اندازہ چودہ سو برس کی شرح جرائم اور سوڈیڑھ سو برس کی شرح جرائم سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قانون کے پس پردہ تصور انسان کے علاوہ اِس قانون کے تحت زندگی گزارنے والوں کا مذہبی شعور کارفرما ہوتا ہے کیونکہ ملک کی سب سے بڑی عدالت کے فیصلہ کی بابت اگر کسی کم سے کم درجے کا تصور عصمت اور تصور طہارت نہ ہو تو قانون موثر ثابت نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ یہ تصور عصمت وطہارت نہ ہو تو قانون موثر ثابت نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ یہ تصور عصمت وطہارت مذہب ہی سے میسر آ سکتا ہے۔ لہٰذا جب مغربی نظام عدل مسلم معاشرے میں نافذ ہوا تو چونکہ وہ نظام معاشرے کے مذہبی شعور اور مذہبی رجحانات سے مطابقت نہیں رکھتا تھا اس لئے معاشرے کے باطن نے اسے قبول کرنے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں ذہنی بغاوت پیدا ہوئی اور جرائم کا ارتکاب بڑھ گیا۔

مغربی اور اِسلامی نظام عدل کے بارے میں گفتگو کرتے وقت یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ عدلیہ ہی اصل میں وہ چیز ہے جو معاشرے کے اعمال وافعال کو مخصوص خطوط پر استوار کرتی ہے۔ اسی لئے ہر ملک کا نظام عدل اس ملک کے اساسی نظریات ومعتقدات کا عکاس ہوتا ہے اور اس حوالے سے صرف اسی لئے ہر ملک کا نظام عدل اِس ملک کے اساسی نظریات ومعتقدات کا عکاس ہوتا ہے اور اِس حوالے سے صرف اِسی ملک کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ اگر اِس اصول کو مدنظر نہ رکھا جائے تو ملک کے باشندے اِس نظام عدل سے نہ صرف یہ کہ ناواقف رہتے ہیں بلکہ بعض اوقات ان کی زندگی اس نظام عدل سے متصادم ہو جاتی ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے ملک کی بنیاد اسلام ہے اور ملک میں کم وبیش برطانوی قوانین نافذ ہیں ظاہر ہے کہ برطانوی نظام

حیات کی اساسیات دوسری ہیں اور اسلامی نظام حیات کی دوسری جس کا ثبوت یہ ہے کہ ... ے ایسے جرائم ہیں جو برطانوی قانون کی رو سے جرم ہی نہیں شمار کئے جاتے بلکہ بعض ... انہیں قانون تحفظ بھی حاصل ہوتا ہے مثلاً کلب میں جوا کھیلنا یا شراب نوشی یا زنا بالرضا جبکہ اسلامی نظام عدل میں اِن میں سے بعض جرائم کی سزا موت اور بعض کی کوڑے ہیں۔

طرزِ عمل اور فطرت

مغربی اور اِسلامی نظام عدل پر غور کرتے وقت یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مغربی قانون کا ارتقاء استقرائی منطق INDUCTIVE LOGIC پر ہوتا ہے جسے اگر شماریات کہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا یعنی وہاں قوانین ہزار دو ہزار لاکھ دو لاکھ اِنسانوں کے طرزِ عمل کو دیکھ کر وضع کر دئے جاتے ہیں لیکن استقراء یا شماریات میں غلطی کا امکان ہے جبکہ اِسلامی نظام عدل کی اساس انسانی فطرت پر ہے، اِسی وجہ سے مغربی قوانین میں تبدیلی ہوتی رہتی کیونکہ اِنسانی طرزِ عمل متبدل و متغیر ہے جبکہ اِسلامی نظام عدل میں تبدیلی نہیں ہوتی اِس لئے کہ انسانی فطرت میں تبدیلی ممکن نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ نظام عدل جو کسی خاص طرزِ عمل (BEHAVIOR) کے اِنسانوں کے لئے وضع کیا گیا ہو عالمگیر نہیں ہوسکتا جبکہ وہ نظام عدل جو فطرتِ انسانی پر مبنی ہو عالمگیر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اِسلامی نظام عدل کو مغرب میں نافذ کیا جائے تو وہاں یہ کامیاب ہوسکتا ہے کیونکہ بہر حال وہاں انسان بستے ہیں لیکن مغرب کا نظام عدل پاکستان میں کامیاب نہیں ہوسکتا اس لئے کہ مغربی باشندوں کے طرزِ عمل اور پاکستانیوں کے طرزِ عمل میں اِختلاف ہے۔

مختصر یہ کہ ہمیں آخر کار پاکستان میں مکمل اِسلامی نظام عدل نافذ کرنا ہوگا ورنہ ہمارا معاشرتی ارتقاء ہرگز اِسلامی نہ ہوگا۔ جاری ہے

بنیاد پرستی اور علامہ اقبالؒ

(کے ایم اعظم)

عہد حاضر کے مغربی دانشور اور ناقدین آج کل الفاظ کے مقابلے میں ایسی اصطلاحات استعمال کر رہے ہیں جن سے بڑی حد تک فکری ابتری اور انتشار پیدا ہو رہا ہے کیونکہ عام لوگ ان بھاری بھرکم اور نامانوس اصطلاحات سے اکثر و بیشتر واقف نہیں ہوتے۔ ایسی اصطلاحات میں سے ایک اِصطلاح ''بنیاد پرستی'' کی ہے جو حال ہی کے برسوں میں سامنے آئی ہے اور اس اصطلاح سے نہ صرف بڑا انتشار پیدا ہوا ہے بلکہ متعدد اُلجھنوں نے جنم لیا ہے۔ اہل مغرب کے شعبہ ابلاغ سے متعلقہ تمام ادارے بغیر کسی امتیاز کے تمام مسلمانوں کے متعلق یہ نئی اصطلاح مسلسل اِستعمال کئے جا رہے ہیں ۔ مغربی کلچر اور تاریخ کے حوالے سے فروغ پانے والی اصطلاحات اور نظریات کا اِسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ اسلام کا اپنا مخصوص معاشرتی، سیاسی اور اِقتصادی نظام ہے جس کا کسی دوسرے تمدن یا نظام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ان کا باہمی مقابلہ وموازنہ کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اِسلام بیک وقت قدامت پسند بھی ہے اور ترقی پسند بھی۔ یعنی جس وقت اِسلام ساحل سمندر پر مخلوط غسل کے لئے اِستعمال کئے جانے والے نیم عریاں لباس پر پابندی عائد کرتا ہے تو اِس وقت یہ قدامت پسند ہے۔ لیکن جس وقت یہ مساوات اور برابری کا درس دیتا ہے تو اِس وقت یہی دین ترقی پسند ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں معاشرتی اور اقتصادی اقدار کے حوالے سے اِسلام ترقی پسند ہے لیکن ذاتی اخلاقیات کے معاملے میں قدامت پسند۔ اسلام کے اِس سادہ سے طرز عمل کو اہل مغرب سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ مغرب میں مذہب کو تاریخی اعتبار سے قدامت پسندانہ اقتصادی اقدار سے مربوط کر دیا گیا ہے جب کہ ترقی پسند مصلحین کی اکثریت خدا کے وجود سے منکر ہیں۔

''بنیاد پرستوں'' کی اصطلاح ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سب سے پہلے بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اِس گروپ کے لئے اِستعمال کی گئی جس کا تعلق ''پروٹسٹنٹ'' عیسائیوں کے اس مذہبی گروہ سے تھا جو بائیبل کے لفظی حقائق پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ گروپ دراصل ابتدائی طور پر آزاد رو اور جدت پسندوں کے حملے کے نتیجے میں معرض وجود میں آیا یہ لوگ جو آرتھوڈوکس عیسائی اقدار کا دفاع کرنے کے خواہاں تھے جب کہ اِن کے مقابلے میں آزاد منش اور جدت پسند

لوگ انیسویں صدی میں بائبل کے بارے میں کیئے گئے تنقیدی کام کو جذب کر لینا چاہتے تھے اور اس کی روشنی میں مذہبی اقدار اور عہد حاضر کی معاشرتی پیچیدگیوں کے درمیان مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ نصف صدی کے بعد جدیدیت اور آزادروی کا بہت حد تک خاتمہ ہو گیا لیکن اس کے باوجود بنیاد پرستی زندہ رہی حتیٰ کہ آج تک پورے امریکہ میں فروغ پذیر ہے۔ تاہم ''ڈارون ازم'' کے خلاف سخت موقف کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو انجیل کے مبلغ کہلانے لگے اور پروٹسٹنٹ حلقوں میں ان کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا جیسا کہ ایک عام محاورہ ہے کہ ''کسی پروٹسٹنٹ کو ذرا چھیڑ کر یا کرید کر تو دیکھو تو وہ اندر سے'' (بنیاد پرست) ہی نکلے گا۔ بنیاد پرستوں کی اکثریت نہ تمباکو نوشی کرتی ہے اور نہ شراب پیتی ہے۔ اکثر و بیشتر یہ لوگ رقص بھی نہیں کرتے اور کھیل تماشہ یا فلموں سے بھی لطف اندوز نہیں ہوتے۔ اِس طرح نظر بہ ظاہر بنیاد پرست عیسائیوں اور نام نہاد مسلمان بنیاد پرستوں میں بعض اطوار میں مشابہت ہونا ممکن ہے لیکن باطنی طور پر ان میں بہت زیادہ فرق اور امتیاز پایا جاتا ہے کیونکہ دین کے تمام بنیادی اعتقادات تمام مسلمانوں کیلئے ایک جیسے ہیں۔

اس کے برعکس عیسائیوں میں ایک فرقے سے دوسرے فرقے کے بنیادی اعتقادات بالکل جدا اور مختلف ہوتے ہیں۔ اِس طرح جب کسی مسلمان کو ''بنیاد پرست'' کہا جاتا ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے دین کے بنیادی اعتقادات پر عمل نہیں کرتا تو وہ مسلمان نہیں رہا۔ مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین کے تمام بنیادی اعتقادات پر پوری طرح عمل کرے کیونکہ یہ اس کے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ اِس سے بالکل برعکس اہل مغرب کو اِس کی پروا نہیں کہ مسلمان کتنے خشوع وخضوع سے اپنی نماز ادا کرتا ہے اور دیگر دینی اعتقادات اور رسومات پر مکمل طور پر عمل کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مغرب اسلام یا اہل اسلام سے خوف زدہ کیوں ہے؟ کیا اِسلام میں کوئی ایسی خاص بات ہے جس سے اہل مغرب خوف زدہ ہیں؟ بقول علامہ اقبالؒ

لفظ اِسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اِسی دین کا ہے ''فقر غیور''

(ضرب کلیم)

دراصل یہی وہ مسئلہ ہے جس کا ہم نہایت گہرائی کے ساتھ جائزہ لیں گے تاکہ کسی مناسب

نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ اب جب کہ ہم ''بنیاد پرستی'' کا ''جدیدیت'' سے مقابلہ وموازنہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ''جدیدیت'' کی اصطلاح بھی اسی طرح ہی غیر یقینی ہے۔ تاہم جدیدیت کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر چیز ہر خیال یا ہر فیشن جو نیا ہو، اس پر اندھا دھند یا بغیر دیکھے، سمجھے عمل کیا جائے اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہر ایسی چیز کو اختیار کر لیا جائے جس کا تعلق مغرب سے ہو۔ یہ درست ہے کہ رواں صدی کے تقریباً نصف تک، یہی طرزِ عمل رہا۔ ہمارے جدت پسندوں کی اکثریت کا یہی نظریہ تھا کہ مغرب میں جس چیز پر عمل ہو رہا ہو، ترقی پذیر ممالک کو اس پر اندھا دھند عمل کرنا چاہیے۔ تیسری دنیا کے جدت پسندوں کا یہی ذہنی طرزِ عمل، اہلِ مغرب کے یقین کامل کا عکس تھا۔ وہ یقین کامل یہ تھا چونکہ مغرب کے صنعتی کلچر کو بہر حال برتری حاصل ہے اس لئے ہر قوم کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونے کیلئے اہلِ مغرب کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور ان کے طور طریقوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ اگرچہ یہ خیال اب بہت حد تک زائل ہو گیا ہے، اس کے باوجود جدیدیت کا مطلب نئے خیالات اور نئے نظریات ہی ہیں۔ مزید برآں اس کا مطلب یہی ہے کہ مذہبی اور دینی اعتقادات کو نئے زمانہ کی معاشرتی ضروریات کے مطابق ڈھالا جائے۔ تاہم یہ امر سمجھ لینا ضروری ہے کہ جدیدیت کی روح اعتدال پسندی میں مضمر ہے۔ جدیدیت کی اگر یہ تعریف قبول کر لی جائے تو پھر اسلام اور جدیدیت میں کوئی تنازعہ یا جھگڑا باقی نہیں رہتا۔ درحقیقت اعتدال پسندی قرآن پاک کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُمت وسطیٰ یا متوازن قوم کے طور پر ابھارا ہے اور دیگر تمام اقوام اور اُمتوں پر شہادت دینے کے لئے پیدا کیا ہے۔ (۲۔۱۴۳، ۳: ۱۱۰، ۲۲: ۷۸)۔ منطقی طور پر جس شخص کو گواہی کے لئے کھڑا کیا جاتا ہے اسے یقینی طور پر غیر جانبدارانہ یا درمیانی پوزیشن اختیار کرنا پڑے گی۔ لازم ہے کہ وہ شخص بالکل درمیان میں کھڑا ہو، کیونکہ اگر وہ کسی اور جگہ کھڑا ہو گا تو لامحالہ وہ کسی نہ کسی جانب جھک جائے گا یا کسی نہ کسی کا ساتھ دے گا۔ اِنتہائی درمیانی یا اُمت وسطیٰ ہونے کے ناطے سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ وہ قول وفعل میں اعتدال کا راستہ اختیار کرے۔ قرآن حکیم اپنے تمام ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ اچھے انداز اور اطوار سے بات کرو۔ (۲: ۸۳) اعتدال کے راستے پر چلو اور اِنتہا پسندانہ نظریات اختیار نہ کرو اور نہ ہی انتہا پسندانہ راستہ اختیار کرو۔ (۳۱: ۱۷۔۱۹) حتیٰ کہ اسلام میں اقتصادیات کا مطلب بھی یہی ہے کہ درمیانی راستہ یا بالکل متوازن راہ اختیار کی

جائے۔ ایسی راہ جو نہ تو کنجوسی پر مبنی ہو اور نہ ایسی راہ جو فضول خرچی یا اسراف کی راہ ہو۔ گویا ایسی راستہ جس میں واقعتاً نہ زیادتی ہو اور نہ کمی ہو۔ قرآن پاک میں انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اس پیمانے سے ہرگز انحراف نہ کرو جو صحیح اور درست ہو۔ (۵۷:۸-۹) اور ہمیشہ معاشرتی توازن قائم رکھو اور عدل قائم کرو (۱۷-۳۵) اس طرح اگر جدیدیت کا مطلب اعتدال پسندی ہے تو پھر اسلام لامحالہ جدید دین ہے جو نہ صرف عہد حاضر کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے بلکہ مستقبل کے تقاضوں سے بھی عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ تاہم یہاں یہ دیکھنا بہت اہم امر ہے کہ جب اسلام دینی روح کے مطابق واقعتاً ایک جدید قوت ہے تو پھر اس کے تاریخی حقائق عام طور پر روایتی قوتوں کی مساعی کا نتیجہ ہیں جو اپنی قیادت برقرار رکھنے کیلئے کوشاں ہیں۔ درحقیقت اگر اُمت مسلمہ نے تمام اقوام عالم پر شہادت کا الوہی کردار ادا کرنا ہے تو پھر اسے اسلام کی اصل روح کے مطابق اعتدال اور توازن کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ بنیاد پرستی آخر ہے کیا؟ دراصل یہی وہ مسئلہ ہے جس پر اہل مغرب ہم سے لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ جب تک ہم خود اِس مسئلہ کی اصلیت اور اِس کے تمام پہلوؤں کو پوری طرح نہیں سمجھ لیتے۔ اِس وقت تک ہم اس مسئلے پر اہل مغرب کے ساتھ بات چیت نہیں کر سکتے۔

بنیاد پرستوں کی اصل پوزیشن کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہمیں اِن پانچ بنیادی پہلوؤں کا جائزہ لینا ہوگا جن پر اسلام کے اندر نظریاتی اور عقلی و منطقی جنگ جاری ہے۔ اِس تنازعہ میں بنیاد پرست ایک طرف ہیں اور اعتدال پسند مسلمان دوسری جانب ہیں۔ اِس اندرونی تنازعہ کے ضمن میں ہمیں حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے رویہ کا بھی جائزہ لینا ہوگا۔ دراصل یہ پانچوں تخلیقی تناؤ اسلام میں عدم اِستحکام کا سبب بننے کے باوجود نظام میں زندگی کی نئی روح پھونکتے رہتے ہیں۔

(الف) وریٰ الوریٰ اور قریب رگ جان!

ان پانچوں تناؤ میں سے پہلا تناؤ ذات الٰہی کے گرد گھومتا ہے یعنی وجود الٰہیہ وریٰ الوریٰ بھی ہے اور شہ رگ سے قریب تر بھی ہے۔ قرآن مجید الوہیت کو ذاتی، وریٰ الوریٰ اور اخلاقی قرار دیتا ہے اور اس بات پر زور دیتا کہ اللہ دور بھی ہے اور نزدیک بھی۔ اللہ تعالیٰ وریٰ الوریٰ اور قریب از جان ہونے کا یہ تصور رگ جان دین اسلام کی تخلیقی کشمکش میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ بنیاد پرست مسلمان کوشاں ہیں کہ وہ معاشرے کو اس طرف لے جائیں جہاں اللہ تعالیٰ کے وریٰ

اوری ہونے پر زور دیا جاتا ہے جب کہ ان کے برعکس صوفی حضرات ذات باری کے شہ رگ سے قریب تر ہونے پر زور دیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اسلامی بنیاد پرست شریعت الٰہی پر زور دیتے ہیں جب کہ صوفیا روحانیت کو اہمیت دیتے ہیں۔ تاہم یہ بات ضروری ہے کہ ان میں کوئی بھی طبقہ دوسرے پہلو کو بالکل نظر انداز نہیں کرتا۔ گویا اہل شریعت، شریعت پر زور دیتے ہوئے بھی ذات باری کے شہ رگ سے قریب تر ہونے سے منکر نہیں اور اسی طرح روحانیت کے حامل لوگ ہرگز شریعت کو پس پشت نہیں ڈالے۔

(ب) کثرت میں وحدت

دنیائے اِسلام میں دوسرا سب سے بڑا تناؤ ملت اِسلامیہ کے اندر لوگوں کے ثقافتی اظہار میں کثرت اور وحدت کے عناصر کے درمیان ہے۔ اِسلام میں جہاں مقامی ثقافت کے متعلق فراخدلانہ طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے وہاں بنیاد پرست اس امر کی اجازت نہیں دیتے کہ اس طرز عمل کے جاری رہنے کے دوران ایسا مقام آ جائے جہاں وہ تمام مشترکہ عناصر تباہ ہو جائیں جو ملت کی تعریف کو ممکن بناتے ہیں۔

اس لئے ملت اسلامیہ کے درمیان ہمیشہ اور مسلسل یہ کشمکش جاری رہتی ہے کہ آیا مقبول عام مقامی رسوم و رواج کے بارے میں لچک اور رواداری کا رویہ اختیار کیا جائے یا افراد کے اعمال کو مشترکہ اسلامی نصب العین کے مطابق ڈھالنے کی سعی کی جائے۔

(ج) کشادگی اور اصلیت

تیسری کشمکش یا تناؤ اِسلامی سرگرمیوں کو زندہ جاری رکھنے کی مساعی کے دوران کشادگی اور اصلیت کے درمیان ہے۔ کشادگی سے مراد یہ ہے کہ دوسری ثقافتوں کی کامیابیوں کو قبول کرلیا جائے جبکہ اصلیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ہی ثقافت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دیا جائے۔ اِسلام ایک زندہ، موثر اور کشادہ معاشرے کے تصور کے ساتھ ابھرا ہے جبکہ وہ اپنی اصلی اور مستند روایات کے ساتھ بھی منسلک رہا جن پر اسلامی شناخت کی بنیاد ہے۔ اسلام نے دوسری ثقافتوں سے کوئی چیز عاریتاً نہیں لی بلکہ پہلے سے موجودہ عناصر کی تعمیر و تشکیل کے لئے بعض خارجی خیالات کو قبول کرلیا ہے تاہم بعض اوقات ایک طرف یا دوسری طرف بہت زیادہ آگے چلے جانے یا جھکاؤ کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلامی روایات میں بنیاد پرست اصلیت پر زیادہ

زور دیتے ہوئے کوشش کرتے ہیں کہ معاشرہ غیر ملکی عناصر کو مسترد کر دے۔ ان کا مقصد
یہ ہوتا ہے کہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جو رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے
سے مشابہت رکھتا ہو۔ اس کوشش کے دوران انہیں مغرب پسند جارحانہ قوتوں کا شدید مقابلہ
پڑتا ہے جو ان کے معاشروں پر حملہ آور ہوتی ہیں۔

(د) سیکولر اتھارٹی اور مذہبی قانون

بنیاد پرستوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی ریاست قائم کریں جو
عدل اور نظم و نسق کے اعتبار سے ہو بہو اِس ریاست سے ملتی ہو جس کی بنیاد رسالت مآب ﷺ
پہلے چار خلفائے راشدینؓ نے رکھی تھیں اس کے برعکس اعتدال پسند طبقے کا طرزِ عمل یہ
حکمرانی کے دیگر طریقے بھی انہیں قابل قبول ہیں بشرطیکہ اِن کے (ڈھانچے) سیٹ اپ
طریق کار میں اِسلامی روح کارفرما ہو۔

(ر) علیحدگی پسندی اور پان اسلام ازم:

ایک طرف جغرافیائی بعد اور قلیل وسائل کی بناء پر سخت مقابلہ بازی اور دو
جانب لادینی نظریات کے اثرات نے علیحدگی پسندی اور باہمی رقابت کے جذبات و احساسات
کو ہوا دی ہے اور اِس کی بدولت مفادات پر مبنی تنازعات نے مذہبی اور دینی اخوت اور بھائی
کے مقابلے میں رنگ و نسل، خون اور زبان پر مبنی رشتوں کو مضبوط کیا ہے۔ تاہم مسلمان کی نفسیات
میں پان اسلام ازم کی روح بیک وقت ہمیشہ کارفرما رہی ہے کیونکہ قرآن پاک قومیت کے خلاف
تعلیم دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کو باہمی طور پر ملت واحدہ اور آپس میں بھائی بھائی قرار دیتا ہے۔
بنیاد پرست انتہائی شدت کے ساتھ پان اسلام ازم کے حامی ہوتے ہیں جبکہ آزاد منش طبقے
طرزِ عمل رنگ و نسل کے لئے بھی گنجائش پیدا کرتا ہے۔
ان پانچ تخلیق تناؤ کے مسئلے پر علامہ اقبالؒ پہلے چار تناؤ میں اعتدال پسند مسلمانوں کا ساتھ
دیتے ہیں لیکن پانچویں تناؤ میں بنیاد پرستوں کی حمایت کرتے ہیں اِس سلسلے میں ایک بہت
اہم فرق قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ اِسلامی روایات کے مطابق جو مسلمان بنیاد پرست ہے
اہل مغرب کے معانی کے مطابق رجعت پرست نہیں ہوتا کیونکہ بنیاد پرست مسلمان تبدیلی
حرکت پر یقین رکھتا ہے۔ تاہم بنیاد پرست مسلمان چاہتا ہے کہ وہ اِسلامی معاشرے کو اسلا

آج بھی زمانے کی طرف واپس لے جائے جب کہ اس کے برعکس علامہ اقبالؒ چاہتے ہیں کہ ماضی کے ساتھ اپنا رشتہ اور تعلق برقرار رکھتے ہوئے معاشرہ نہایت تیزی اور انقلابی رفتار کے ساتھ مستقبل کی طرف گامزن ہو۔

دوسرے الفاظ میں علامہ اقبالؒ اپنی عقل و دانش کی قوت کے بل بوتے پر خواہاں ہیں کہ اسلام کا شاندار ماضی، حال میں ضم ہو جائے تا کہ دونوں کے حسین امتزاج سے بہتر اور تابناک مستقبل تعمیر کیا جا سکے۔ تاہم اہل مغرب اسلام میں جذبہ جہاد کے پہلو کو نہ صرف سمجھنے سے قاصر ہیں بلکہ وہ اسے سمجھنے میں ناانصافی سے بھی کام لیتے ہیں۔ جو جہاد اہل مغرب کے مفادات کے مطابق ہے وہ اس کا استقبال کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں لیکن جو پہلو ان کے مفادات کے برعکس ہے وہ اس کی شدید مذمت کرتے ہیں۔ اسلام میں جہاد کا مطلب یہ نہیں کہ جارحیت کی بنیاد علاقائی توسیع سے کام لیا جائے بلکہ اس کے معانی یہ ہیں کہ ظلم و استبداد کا خاتمہ کیا جائے اور عدل و انصاف قائم کیا جائے۔ اسلام جوع الارض کے یکسر خلاف ہے۔ اس ضمن میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

صلح شر گردد چو مقصود است غیر
گر خدا باشد غرض، جنگ است خیر
گر نہ گردد حق ز تیغ ما بلند
جنگ باشد قوم را نا ارجمند
آتش جان گدا ، جوع گدا است
جوع سلطان ملک و ملت را فنا است
ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید
تیغ او در سینہ او آرمید
دوش را پیوند با امروز کن
زندگی را مرغ دست آموز کن
رشتہ ایام را آور بدست
ورنہ گردی رو کورو و شب ہرست

سر زند از ماضی تو حال تو
خیز داز حال تو استقبال تو
شکن ار خواہی حیات لازوال
رشتہ ماضی ز استقبال و ہلال

جب دشمن صلح کی بجائے شر پر اُتر آئے اور جنگ کا مقصد فرمان الٰہی کے مطابق فساد
روکنا ہو تو مسلمان پر جنگ لازمی ہو جاتی ہے۔ اگر ہماری تلوار حق وصداقت کے لئے نہیں اٹھتی
اور ناحق کا ساتھ دیتی ہے تو ایسی جنگ قوم کیلئے خرابی بسیار کا باعث بن جاتی ہے۔ ایک گداگر کی
بھوک، گداگر کی جان ہی کو جاتی ہے لیکن بادشاہ کی بھوک ملک وملت کو جلا کر رکھ دیتی ہے۔ جس
شخص یا بادشاہ نے غیر اللہ کے لئے خنجر اُٹھایا تو گویا اس نے اپنا خنجر اپنے ہی سینے میں پیوست کر
لیا۔

اگلے اشعار میں علامہ اقبال نصیحت فرماتے ہیں کہ کل (ماضی) کو حال کے ساتھ منسلک کرو
اور زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق بسر کرو۔ ماضی و حال کے تعلق پر قابو پاؤ ورنہ تمہارا روشن دن
رات کی طرح اندھیرا ہو جائے گا مسلمان کا حال، ماضی سے سر اُٹھاتا ہے اور مستقبل حال سے جنم
لیتا ہے۔ اگر تو حیات جاوداں کا خواہاں ہے تو اپنے حال و مستقبل کا رشتہ اپنے ماضی سے نہ توڑنا۔

اسلام میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کے دلوں میں تبدیلیاں لائی
جائیں کیونکہ اس کے بغیر انسانی حالات میں پائیدار ترقی لانے کے سلسلے میں کامیابی ممکن نہیں۔
درحقیقت ''انقلاب'' کے لغوی معنی ہی دلوں کے بدلنے کے ہیں۔ اس مسئلے پر علامہ اقبال اور مغرب
پرست نہ صرف ایک مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں بلکہ ہم نوا اور باہم متفق ہیں۔

(21 اپریل 1996)

اسلامی تمدن سے جدید سائنس کی ابتداء

ہارون یحیٰ

اب سے چودہ صدیوں پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانیت کی رہنمائی کے لئے قرآن نازل فرمایا۔ اس وقت عرب معاشرہ مکمل زوال، افراتفری اور جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بربریت میں مبتلا ایسے لوگ تھے جو اپنے ہی ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کو پوجتے تھے۔ جنگ اور خوں ریزی ان کا مشغلہ تھی، حتیٰ کہ اپنی ہی اولادوں کو ہلاک کرنے میں بھی انہیں کوئی افسوس نہیں ہوتا تھا۔ انسانیت بے بسی سے ایڑیاں رگڑ رہی تھی۔ اس تناظر میں وہ فکری اور علمی سرگرمیوں میں بالکل دلچسپی نہیں لیتے نہ ہی فطرت میں پوشیدہ سائنسی اسرار و رموز پر غور کرتے تھے۔

اسلام نے انہیں انسانیت کا پتا دیا اور تہذیب سکھلائی۔ نہ صرف عرب بلکہ اسلام قبول کرنے والی تمام تہذیبیں جہالت کے اندھیرے سے نکل آئیں اور قرآن کی حکمت سے روشن ہو گئیں۔ قرآن کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس نے انسانیت کو سائنسی طرز فکر عطا کیا ہے۔

قرآن میں بیان کردہ سائنسی مجموعہ قوانین

سائنسی فکر تجسس کے تحت ہی پیدا ہوتی ہے۔ لوگ کائنات اور فطرت پر غور کرتے ہیں اور حیرت سے سوال کرتے ہیں کہ یہ سب کیا ہے اور یہ نظام کیسے جاری و ساری ہے۔ یہی جذبہ سائنس میں دلچسپی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن میں جذبہ نہیں پایا جاتا۔ ان کے نزدیک کائنات اور نظام قدرت میں پوشیدہ راز زیادہ اہم نہیں ہوتے بلکہ دنیا کے معمولی فوائد اور لذتوں کی زیادہ وقعت ہوتی ہے۔ جن معاشروں میں یہ سوچ حاوی ہو وہاں سائنس پروان نہیں چڑھتی بلکہ غفلت اور جہالت کا راج ہوتا ہے۔

قرآن عظیم کے نزول سے پہلے عرب معاشرے کا بھی یہی حال تھا۔ پھر قرآن کی آیات نے انہیں غور و فکر کی جانب بلایا، تحقیق اور ذہن استعمال کرنے کا حکم دیا، یہ ان کی زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ قرآن مجید کی پہلی چند آیات میں اللہ عربوں کو اونٹوں پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے جو ان کی روز مرہ زندگی کا ایک حصہ تھا:

"کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے وہ کس طرح پیدا کئے گئے ہیں؟
اور آسمانوں کو کس طرح اونچا کیا گیا ہے؟
اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے ہیں؟
اور زمین کی طرف کہ کس طرح [illegible] ہے؟

پس آپ نصیحت کر دیا کریں (کیونکہ) آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں"۔
(سورۃ الغاشیہ: 17-21)

قرآن کی دیگر کئی آیات میں لوگوں کو فطرت پر غور کرنے اور اس سے سبق سیکھنے کی دعوت دی گئی ہے کیونکہ خدا کو اس کی تخلیق سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ایک آیت ربانی میں مسلمانوں کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق پر غور کرتے ہیں۔

"جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیتے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ سے بچا لے"۔ (سورۃ آل عمران۔ **191**)

اس کے نتیجے میں کسی مسلمان کے لئے سائنسی غور و فکر بھی عبادت کی ایک قسم ہی ہے۔

اسی طرح قرآن کی کئی آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آسمانوں، زمین، جاندار اجسام حتیٰ کہ خود ان کے وجود پر غور و فکر اور تحقیق کا حکم دیتا ہے۔ جب ہم ان آیات مبارکہ کو دیکھتے ہیں تو قرآن میں سائنس کی تمام اہم شاخوں کا ذکر ملتا ہے۔

مثلاً قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ فلکیات پر غور کرنے کی دعوت دے رہا ہے:

"جس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (تو اے دیکھنے والے) اللہ رحمٰن کی پیدائش میں کوئی بے ضابطگی نہ دیکھے گا، دوبارہ (نظریں ڈال کر) دیکھ لے کیا کوئی شگاف بھی نظر آ رہا ہے"۔
(سورۃ الملک۔ 3)

ایک اور قرآنی آیت میں اللہ تعالیٰ فلکیات اور ارضیاتی ترکیب پر تحقیق کی دعوت دے رہا ہے؛ ارضیات کی جانب اشارہ ہے:

"کیا انہوں نے آسمان کو اپنے اوپر نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور زینت دی ہے اس میں کوئی شگاف نہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھا دیا ہے اور اس میں ہم نے پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور اس میں ہم نے قسم قسم کی خوش نما چیزیں اگا دی ہیں۔ تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا ذریعہ ہو"۔ (سورۃ ق۔ **6-8**)

اللہ تعالیٰ قرآن میں نباتات کے مطالعے پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے:

"اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے ہر قسم کے نباتات کو نکالا۔ پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی، کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گچھے میں سے، خوشے ہیں جو نیچے کو لٹک جاتے ہیں اور انگور کے

کے باغ اور زیتون اور انار کہ بعض ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور کچھ ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کے پھل کو دیکھو جب وہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو ان میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں"۔ (سورۃ انعام۔99)

ایک اور آیت میں قرآن حیوانیات کی جانب اشارہ کرتا ہے:

"تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی بڑی عبرت ہے کہ ہم تمہیں اس کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی میں سے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے سہتا پچتا ہے"۔(سورۃ النحل۔66)

اب یہ قرآنی آیت ملاحظہ فرمائیے جو بشریات اور ارضیات کی جانب متوجہ کررہی ہے:

"کیا انہوں نے زمین پر چل پھر کر یہ نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیسا (برا) ہوا"۔(سورۃ الروم۔9)

ایک اور قرآنی آیت میں اللہ خود ہمارے جسم اور روح میں اپنی نشانیوں سے آگاہ کررہا ہے:

"اور یقین والوں کے لئے تو زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو"۔(الذٰریت۔21-20)

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام بڑے سائنسی علوم کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی لئے تاریخ میں جیسے جیسے اسلام آگے بڑھا ویسے ہی سائنسی علوم کا فروغ ہوا۔

مشرق وسطیٰ میں سائنسی نشاۃ الثانیہ

پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت محمد ﷺ نے اسلام کی اشاعت کا کام کیا اس وقت عرب دنیا جاہل اور توہم پرست قبائل میں منقسم تھی۔ اے قرآن، تیرا احسان ہے کہ تو نے ان توہمات اور جہالت سے ہمیں نجات دلائی اور دلیل کی راہ دکھلائی۔ اس کے نتیجے میں تاریخ کی زبردست ترقی ہوئی، صرف چند عشروں میں نور اسلام ایک چھوٹی سی بستی سے نکل کر افریقہ اور وسط ایشیاء تک پھیل گیا۔ وہ عرب جو مختصر رقبے پر رہتے ہوئے بھی نااتفاقی سے جی رہے تھے تمام عالم کے حکمراں بن گئے۔

اس سلطنت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہاں سائنسی ترقی کی وہ مثالیں قائم ہوئیں جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس وقت مغرب اپنے تاریک دور میں سسک رہا تھا۔ اسلامی دنیا کے سائنسی علوم کا ایک تاریخی سرمایہ جمع کیا جس کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔

طب، جیومیٹری، الجبرا، فلکیات، حتیٰ کہ عمرانیات جیسے علوم پہلی مرتبہ منظم انداز میں ترقی کرنے لگے۔ مذہبی درس گاہیں سائنسی علوم اور ترقی کے مراکز بھی تھیں۔ ایسے مراکز کی ابتداء عباسی عہد

(750ء تا 1258ء) میں ہوئی جب ہزاروں مسجد اسکول قائم ہوئے۔ دسویں صدی عیسوی میں
بغداد میں ایسے 300 مکتب تھے۔ چودھویں صدی عیسوی میں صرف اسکندریہ میں
12,000 طالب علم موجود تھے۔

دسویں صدی عیسوی بغداد میں باقاعدہ مدارس کی بنیاد رکھی گئی۔ مدرسے کا اپنا نصاب ہوتا
تھا۔ وہاں کل وقتی اور جز وقتی اساتذہ رکھے جاتے تھے۔ ان میں خواتین بھی شامل تھیں۔ امیر اور
غریب دونوں کے لئے تعلیم مفت تھی۔ وہیں مکتبہ (کتب خانہ) کی تعمیر ہوئی اور غیر ملکی کتب لائی
گئیں۔ ایسے دو مشہور کتب خانوں میں بغداد کا بیت الحکمت (820ء تقریباً) اور قاہرہ کا دارالعلم
(تقریباً 998ء) بے حد مشہور ہیں۔ جامعۃ الاظہر (969ء) جیسی یونیورسٹی یورپ کی جامعات
سے بھی کہیں پہلے قائم ہو چکی تھی۔ اسلامی تہذیب نے دنیا کی اولین جامعات حتیٰ کہ ہسپتالوں کی بنیاد
بھی رکھی۔

یہ حقائق جدید مغرب کے باشندوں کے لئے بڑے حیرت انگیز ہیں جن کے ذہنوں میں اسلام
کی مختلف تصویر بسی ہے۔ لیکن یہ غلط تصویر اسلامی تاریخ کی ابتداء اور تہذیب سے ناواقفیت کی بنا پر
قائم ہوئی ہے۔ تھوڑا سا مطالعہ کر کے کوئی بھی شخص اس غلط فہمی سے نجات حاصل کر سکتا ہے اور اسلام
کے صحیح رخ کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کی ایک مثال تو بی پی ایس کی تیار کردہ دستاویزی فلم ہے۔ "اسلام:
ایمپائر آف فیتھ" میں مبصر یہ کہتا ہے:

"اگر ہم تاریخ سے نقاب اٹھائیں تو اسلامی تہذیب انسانیت کے عظیم کارہائے نمایاں میں سے
ایک نظر آتی ہے..... مغرب کے لئے، اسلامی تاریخ کا بڑا حصہ خوف اور غلط فہمیوں کے پردے میں
چھپایا گیا ہے۔ اب بھی اسلام کی مخفی تاریخ کی گہری جڑیں حیرت انگیز طور پر مغربی تہذیب میں
پیوست ہیں.... یہ وہی (مسلمان اسکالرز) تھے جنھوں نے لیونارڈو ڈاونسی کی پیدائش سے
600 برس پہلے نشاۃ الثانیہ کے بیج بوئے تھے۔ مریضوں کو شفا دینے سے لے کر گنتی کے ہندسوں تک
پوری دنیا کی تہذیبوں کو اسلامی تمدن نے ایک نئی صورت دی ہے"۔

ایک ویب سائٹ پر امریکہ کے لبرل ذرائع ابلاغ کی ایک اہم شخصیت جارج رافیل کا ایک
مضمون بعنوان "اے از فار عرب" میں بھی یہی لکھا ہے:

"الجبرا سے لے کر کافی تک، گٹار سے لے کر بصریات اور جامعات تک کے لئے مغرب کے
لوگوں کا ممنون احسان ہونا چاہیے جو اہل ہلال تھے۔ ایک ہزار سال پہلے جب مغرب اندھیروں میں
ڈوبا تھا۔ اس وقت اسلام کا عہد زریں تھا۔ قرطبہ کی سڑکیں اس وقت روشن تھیں تو اس وقت کا لندن

بربریت کا گڑھا تھا۔ طلیطلہ (اسپین) میں مذہبی رواداری کے دور میں یارک سے ویانا تک ظلم و قتل عام جاری تھا۔ عرب ہماری تہذیب کے نگہبان تھے، انہوں نے نشاۃ الثانیہ کو جنم دیا۔ اگرچہ ان کا اثر و رسوخ ہمارے لئے اجنبی ہی تھا مگر وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا۔ خواہ وہ جو پائی جہازی کا گرما گرم پ ہو یا پھر کمپیوٹر پروگرام میں چلتا ہوا الگورتھم"۔

اسلام کی وسیع النظری

اسلامی تعلیمات میں آخر وہ کونسا اہم عامل ہے جس نے اولین مسلمانوں کو ایسا جدید سائنسی معاشرہ تعمیر کرنے پر مجبور کیا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں، ان میں سے ایک وہ احکامات ہیں جو قرآنی قوانین کے حوالے سے کائنات اور فطرت کی تسخیر پر متوجہ کرتے ہیں۔ دوسرا اہم عامل وسیع النظری ہے۔ قرآن کی حکمت اور نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات نے مسلمانوں کو ایک عالمگیر پس منظر عطا کیا۔ جو تمام تہذیبوں کی رکاوٹوں کو عبور کر کے آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے:

"اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے....." (سورۃ الحجرات۔13)

یہ آیت مختلف اقوام اور سماجوں کے درمیان تعلقات قائم کرنے پر زور دیتی ہے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا:

"اور مشرق اور مغرب کا مالک اللہ ہی ہے"۔ (سورۃ البقرہ۔115)

لہٰذا مسلمان دنیا کو ایک اکائی اور مشترک عالمی تناظر میں دیکھتا ہے۔

احادیث بھی اسی طرح کا حکم دیتی ہیں۔ مثلاً ایک مشہور حدیث میں حضرت محمد ﷺ مسلمانوں سے فرماتے ہیں "حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے۔ یہ جہاں سے بھی ملے وہ اسے حاصل کرتا ہے"۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان کو علم کا شیدائی اور کھلے ذہن کا ہونا چاہیے تا کہ وہ غیر مسلم معاشروں کی سائنسی خدمات سے بھی استفادہ کر سکے۔ یہ غیر مسلم بھی اللہ کے بندے ہی ہیں بالخصوص عیسائی اور یہودی جنہیں "اہل کتاب" کہا گیا ہے۔

اسلامی سائنس کے عروج میں یہ وسیع القلبی واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ جارج ٹاؤن یونیورسٹی سے وابستہ اسلام کے ممتاز مغربی مفکر جان ایسپوسٹو کہتے ہیں:

"اسلامی تمدن کا عروج درحقیقت مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس میں کئی تہذیبوں، کلچر اور زبانوں کے علم و حکمت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس تخلیقی عمل میں ان عیسائیوں اور یہودیوں کا بھی

کردار ہے جو بازنطینی اور فارس کی سلطنت میں انتظامی اور فکری امور میں اہم کردار ادا کرتے
خلیفہ مامون الرشید (عہد 813ء تا 833ء) کے دور میں بیت الحکمت کے شعبہ تراجم کا صدر
بن اسحٰق تھا جو عقیدے کے لحاظ سے نسطوری عیسائی گزرا ہے۔ پھر ترجمے اور تالیف کا یہ کام مسلمان
آگے لے کر بڑھے۔ کچھ ہی عرصے میں مسلمان ان علوم میں ماہر ہو گئے۔ اسلامی تمدن کے اس
پر عربی زبان اور اسلامی طرز زندگی کی گہری چھاپ تھی۔ بعد ازاں کئی شعبوں میں قابل قدر ترقی
ہوئیں جن میں ادب و فلسفہ، جیومیٹری اور الجبرا، طب و سائنس، فنون اور فن تعمیر شامل ہیں۔ پھر
تہذیب و تمدن کی ایک قطار ظاہر ہوئی جنہوں نے تاریک دور کے مسیحی یورپ کو مزید گہنا دیا جن میں
قرطبہ، بغداد، قاہرہ اور نیشاپور شامل ہیں"۔

ہمارے عہد کے عظیم مسلمان اسکالر سید حسین نصر کہتے ہیں "انسانی تاریخ میں اسلامی سائنس
واحد سائنس ہے جو اپنی فطرت میں عالمگیر حیثیت کی حامل تھی"۔

مسلمانوں نے نہ صرف دیگر تہذیبوں سے تعاون کیا بلکہ اپنی زبردست جداگانہ تہذیب بھی قائم
کی تھی۔ چند مبصرین اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلامی معاشروں میں سائنس
کی ترقی محض قدیم یونانیوں اور مشرق بعید ہی کے زیر اثر ہوئی تھی۔ لیکن اسلامی سائنس کا حقیقی ماخذ
مسلمان سائنس دانوں کے مشاہدات اور تجربات ہیں۔ مشرق وسطیٰ کی تاریخ کے ممتاز ماہر پروفیسر
برنارڈ لیوس اپنی کتاب "دی مڈل ایسٹ" میں رقم طراز ہیں:

"قرون وسطیٰ میں اسلامی سائنس کی فتوحات محض یونانی علوم پر مبنی نہیں، نہ ہی بہت قدیم مشرق
بعید کی تہذیبوں سے اثر لیا گیا تھا۔ وہ سائنسی میراث جو مسلمان سائنس دانوں نے جدید دنیا کو عطا کی
ہے، بڑی حد تک ان کی اپنی کوشش اور جستجو کا نتیجہ ہے۔ یونانی سائنس زیادہ تر نظری طرز فکر پر بحث
کرتی تھی جبکہ اسلامی سائنس بہت زیادہ عملی تھی جس میں طب، کیمیا، فلکیات اور زرعی معاشیات
شامل ہیں۔ (مختلف تہذیبوں کے علوم کی) میراث کو قرون وسطیٰ نے مشاہدات اور تجربات کے
ذریعے واضح کیا اور کئی اضافہ جات کئے"۔

اب مغربی مفکرین بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اسلامی تمدن کے جدید سائنسی مزاج ہی نے مغرب
نشاۃ الثانیہ کی راہ آسان کی تھی۔ مسلم علماء اور مفکرین نے اللہ کی ان تخلیقات پر غور کیا تھا جو انہیں خدا شناسی
کی طرف لے گئی تھی۔ الیسیوسٹو یہ بات زور دے کر کہتا ہے: "مسلمان سائنس داں کے ساتھ ساتھ
فلسفی بھی تھے۔ وہ اسلامی نقطہ نظر سے طبعی کائنات کا مشاہدہ کرتے تھے تاکہ وہ عظیم خالق اللہ کے وجود کو
پہچان سکیں جو فطرت میں نظم و ضبط اور وحدانیت کا منبع ہے۔" مغرب میں انہی مجموعہ اصول یا دوسرے
الفاظ میں پیراڈائم کی منتقلی اور علوم کے اجتماع سے ہی مغرب میں ترقی کا دور شروع ہوا تھا۔

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش وخروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں

دنیائے اسلام کیلئے وقت کے اس اہم ترین سوال کا تفصیلی جواب معلوم کرنے کیلئے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ **حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ**

کی مندرجہ ذیل تصانیف ضرور پڑھیں

تعمیر ملت (اردو۔انگلش)
260 صفحات قیمت-/100 روپے

چراغ راہ
مجلد 240 صفحات قیمت-/100 روپے

حقیقت وحدت الوجود
پلاسٹک کور قیمت-/25 روپے

ملنے کا پتہ

- ادارہ اسلامیات 190 نئی انار کلی لاہور
- مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- دیوا اکیڈمی پلاٹ نمبر S.T.9 بلاک نمبر 3 گلشن
- براہ راست ہم سے بذریعہ وی پی منگوانے کے لئے ڈاک خرچ ...
- مرکز تعمیر ملت سلسلہ عالیہ توحیدیہ پوسٹ بکس نمبر 500 گوجرانوالہ
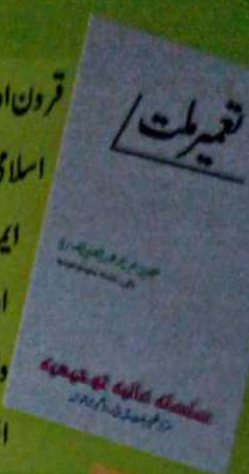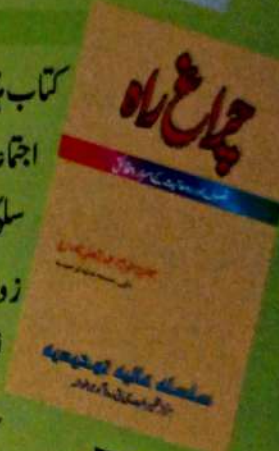
بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف
تعمیر ملت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل
چراغ راہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
طریقت توحیدیہ
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہ صاحبؒ نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں